بے اعضا کے سوا اور کوئی رہا ہی نہیں"۔ کیا یہ کہنا صحیح ہوگا کہ ایک ایسی حالت نے پراگیوں قوم کو بہتر اور درست بنا دیا +

ایک نقطہ اور سپاہی میں جذبات تولید اس وقت زوروں پر ہوتے ہیں جبکہ وہ بیرکس میں رہتا ہے یقیناً کوئی بھی ایسا نہ کہیگا کہ ایک فوج میں رہنے والے سپاہی کے لئے اولاد پیدا کرنے کے لئے اتنے موقع نہیں ہیں جتنے کہ رعایا کو گھروں میں یتسر ہوتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُس وقت جبکہ نسل کے چیدہ اشخاص میں اولاد پیدا کرنے کی بڑی زبردست خواہش پیدا ہوتی ہے۔ اُن کو ایسا کرنے سے یکدم روک دیا جاتا ہے۔ برخلاف اس کے وہ محدودے چند جوان جن کو بھرتی کرنے والا افسر انکار کرتا ہے اپنی نسل کو بڑھانے کا ہر ایک موقع رکھتے ہیں۔ ان کی اولادیں زیادہ ہی زیادہ ہوتی جاتی ہیں۔ سپاہی پیشے سے نہ صرف قومیں جنگ کے وقت ہی لاغر اور ناتوان ہو جاتی ہیں بلکہ کلی امن و امان کے وقتوں میں بھی +

دیگر واقعات ایک بہت درجے تک اس اثر کے برعکس کام کرتے ہیں اور جنگ کے تباہ کُن اثروں کو کمزور کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ہم اس تباہ کُن عمل کو موٹے طور پر بھی نہیں دیکھ سکتے +

فرض کر لو کہ جنگ، قوموں کو جسمانی لحاظ سے مکمل کر دیتی ہے تو اس صورت میں نہایت جنگجو قومیں نہایت خوبصورت ہونی چاہئیں۔ مگر امر واقع ایسی صورت نہیں ہے۔ دراصل اس کا مخالف رخ درست ہے انگریز یقیناً زمین پر ایک خوبصورت قوم ہیں اور ساتھ ہی وہ بہت ہی کم جنگجو ہیں۔ بس صرف اُنہوں نے تمام یورپی اقوام میں سے مجبوراً سپاہی گری موقوف کی ہے +

اس میں کوئی انکاری نہیں ہو سکتا کہ کشتی مشقیں۔ ہر قسم کی کھیلیں انسان کی جسمانی ترقی کے حق میں ہیں۔ وہ پٹھوں کو طاقت جسم کو موزونیت

بڑی نمایاں ترقی کی ہے بس یہی تو وجہ ہے کہ جو کوئی بھی قوموں کو جنگ پر آمادہ کریگا وہ احمق ہے یا مجرم ہے" +

بس نہ رہی رعایا اور نہ ہی بادشاہ جنگ کے خواہشمند ہیں۔ اس لئے دکھائی دیتا ہے کہ قومیں حرب وضرب سے کنارہ کش ہونگیں۔ اور یوروپ کو باہمی متحدہ اضلاع بنائینگیں (United Aote) مگر ایسا کیوں نہیں کرتے صرف ایک ہی سبب ہے اور وہ بھی بڑا مضبوط دستور العمل اور عہد و پیمان +

ہم جانتے ہیں کہ یہ کتنے ہی پڑھنے والوں کو بعید العقل معلوم دیگا مگر بڑی پختہ سوچ بچار سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں اور ہم خیال ہے کہ جلد یا دیر کے بعد تمام روشنضمیر اس خیال کو تسلیم کرینگے +

ہاں افسوس! آئندہ کو جنگ محض اس لئے برپا ہو گی کیونکہ ماضی سے ایسا ہوتا چلا آیا ہے۔ یورپ کی جنگیں سینٹ دستور العمل پر خوفناک چڑھاوے اور قربانیاں ہونگیں +

اب کتنے ہی سوالات ہیں جن کا فیصلہ نہیں ہوا۔ مگر ہے ایک معمولی عقل و فہم کا انسان اس بات کو بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ ان کا فیصلہ بلا کسی قسم کی تکلیف سے ہو سکتا ہے۔ پنچائت و ووٹ اگر ہم ان طریق کو رد کردیں اور جنگ کو ترجیح دیویں۔ وہاں ہم ایسا ہی کرتے ہیں۔ ہم دوبارہ کہتے ہیں کہ جنگ کی صرف ایک وجہ ہے۔ کیوں باپ داداؤں نے ایسے ہی حالات میں جنگ برپا کی۔ ہمیں بھی ایسا کرنا ہوگا جیسا کہ انہوں نے کیا۔ ہمارے بزرگوں نے اس کو شرمناک خیال کیا کہ بغیر خون کے فواروں کے بہانے کے ہم کیونکر ایک ملک کو آزادی دے دیویں۔ بس ہمیں بھی اس کو شرمناک فعل تصور کرنا چاہئے۔ اب تک بھی چاروں کونوں سے ایک دھیمی آواز کان میں پڑتی ہے کہ یہ شرمناک نہیں ہے اور کہتی ہے کہ غیر قوموں کی ظلم و

زیادتی شرمناک ہے۔ کمینگی ہے۔ ہمارے فوائد کے خلاف ہے۔ تاہم اس تندرست دلیل کی پاک آواز کا گلا گھونٹ دیا جاتا ہے تاکہ ہم استادہ سنت دستور العمل کی آواز کو ترجیح دیں اور اس کو بغور سُنیں ؞

جنگ کشمکش کے پہلو سے

جنگ کی تائید کرنے والے اس پہلو میں درست ہیں کہ کشمکش زندگی ہے۔ اردگرد کے حالات کا اثر اجسام پر کشمکش کی صورت میں پڑتا ہے پر دوبارہ اجسام کا حالات پر اثر ہوتا ہے اس طور پر دائمی کشمکش جاری رہتی ہے۔ کلی امن یہ حرکت بند کردیگا یعنی خالص علیحدگی پیدا کریگا۔ کیونکہ مادہ ایک ایسی چیز ہے جو خود بطور حرکت کے ہے یا متحرک جسم ہے۔ مگر ہم ان دونوں میں ولی خیالات سے فرق معلوم کرتے ہیں ؞

انسان اُس دن کشمکش کا خاتمہ کریگا جب اس کی خواہشات ختم ہو جائیگی۔ جو ظاہرہ اس دن کے مساوی ہوگا جس دن انسان کوچ کریگا جونہی کہ یہ کشمکش بند ہو جاتی ہے۔ سٹراند اور موت آجاتی ہے ؞

تمام دنیا میں گورستان ہی دراصل ایک ایسی جگہ ہے جہاں کہ دائمی امن وامان کی حکومت ہے۔" (دلبرٹ)

کشمکش اور مقابلہ کے بغیر انجمن ایک ایسی سنجیدگی کی حالات میں غرق ہو جائیگی جو نہایت ہی خطرناک خوابیدگی ہوگی۔ یہ بالکل صحیح صحیح ہے مگر سب سے بڑی غلطی اس بات میں کہ یہ خیال اپنے دماغ میں جاگزیں کرلینا کہ جنگ ہی صرف اکیلی ایسی صورت ہے جس میں یعنی نوع کی کشمکش ظاہر ہوسکتی ہے ؞

اس قسم کے گول مال اور پیچیدہ گمان بہت ہیں۔ ماہر فلاسفر یہ کہتے ہیں کہ کسی نہ کسی دن یہ عالم ضرور صریحی مساوات پر پہنچ جائیگا

ایسی حالت کو تمام قسم کی حرکت سے خالی ظاہر کیا گیا ہے۔ مگر اب مساوات کا مطلب صرف مدار پر قیام سے ہے۔ فرض کر لو کہ اگر زمین کل کے دن ۵۰ کیلو میٹر فی ثانیہ کی رفتار سے گردش کرے اور اس سے اگلے دن دس کیلو میٹر فی ثانیہ کی رفتار سے اور تیسرے دن سو کیلو میٹر کی رفتار سے گردش کرے تو نظام شمسی نامساوات کی صورت میں ہوگا پس اگر یہ اپنے معمول پر ۲۹ کیلو میٹر فی ثانیہ گردش کرے تو تمام اجسام فلکی مساوات کی حالت میں رہینگے۔ مساوات تیزی کی مقدار ہو یا اس کی خاصیت ہو۔ اس میں کچھ مضائقہ نہیں ؛

ٹھیک اسی طرح نہایت سرگرم کشمکش بنی نوع کو حرکت دیتی ہے حرارت بخار کی طرح بڑھتے ہوئے کام ہر وقت سب جگہ اور ہر لمحہ ہوتے ہیں مگر پھر بھی یہ ضروری نہیں ہے کہ جنگ کے میدان میں انسان ایک دوسرے کو جنگلی جانوروں کی طرح قتل کرے۔ یہ یہاں کرنا سہل ہے کہ جتنی حرکت تیز ہوگی۔ اتنا ہی کشت و خون کم ہوگا۔ الغرض جنگ بدامنی۔ بداعمالی۔ بدکرداری۔ بدانتظامی پیدا کرتی ہے جس سے غلطی سڑاند پیدا ہوتی ہے۔ اور عقلی سڑاند کا مطلب دھیمی دماغی حرکت ہے امن و انصاف کے زمانے میں یعنی صلح کی حالت میں انسانی دل و دماغ بلند ترین پرواز کرتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ دماغی حرکت کی تیزی بہت ہی بڑھ جاتی ہے ؛

جنگ کی بربادی کے ساتھ کشمکش میں ایک بڑی غلطی پیدا ہو جاتی ہے جبکہ جنگ صرف ایک ذریعہ ہے خاص انجام کو حاصل کرنے کا طریق ہے۔ اب دور و دراز کے عرصے میں اس صداقت نے معمول کے موافق صورت بیان اختیار کی ہوئی تھی جس طرح کہ ایک خاص جماعت اپنے بلند ترین عقلی خیالات کو ظاہر کرتی ہے ؛

اب چند منتشر خیالات کو جن پر اول اول ہماری نظر پڑی :-

جب مسٹر کزمبر پر بر فوجی حکم صادر کرتا ہے کہ سرکار جنگ میں فتح پائیگی اور میری مراجعت پر مسٹر ملرنڈ داخل ہوگا"

جنگ کے وقت میں شہروں کے رہنے والوں اور سرکار کے درمیان بھی کشیدگی پیدا ہو جاتی ہے یا ایک صوبہ کے قائم مقام اور شہر والوں والوں میں۔ بلکہ گھرانوں کے اندر بھی۔ کیونکہ بعض اپنے حریف کو کسی قسم کی سہولیت اور آسودگی دینے کے خلاف ہوتے ہیں جس سے مختلف خیالات ہونے سے الگ الگ صورت میں مختلف گروہ بن جاتے ہیں۔ یہ کشمکش صرف یہاں تک ہی محدود نہیں رہتی بلکہ ارادت و عقیدت رکھنے والوں کی سائینس دانوں کے ساتھ۔ روحانیت کے پیرووں کی عالموں کے ساتھ۔ باطل انسانوں کی مدلل انسانوں کے ساتھ ہو جاتی ہے۔ سب انسان جانتے ہیں کہ اس قسم کی اور کتنی ہی کشمکش ہوتی ہیں جن میں خون کا ایک قطرہ بھی ضائع نہیں ہوتا +

ہم دن میں بیس دفعہ ایسی ہی باتیں کرتے ہیں تو کیا ظاہر ہوتا ہے قوموں نے عرصہ قدیم سے ایک ایک سچائی اور دانائی کو پایا تھا کہ محض ملک گیری سے کشت و خون کا مطلب ہی نہیں ہے۔ بلکہ کئی اس حلقہ میں انسانی گروہوں کی اور کئی قسم کی کشمکش بھی جو اور کئی اقسام کی صورتیں اختیار کرتی ہے۔ مگر کئی کہینگے کہ ہمارا تکیہ کلام گدھے کا پل ہے درست یہ نقطہ ہے جو ہم ناظرین پر نقش کرنا چاہتے ہیں کیا یہ تعجب نہیں ہے کہ ایسا سادہ اور پھیلا ہوا خیال جنگ کے مختیاروں کے دلوں میں نہیں کھٹکتا +

کشمکش میں خیالات کا مختلف ہونا ایسی ہی پرانی بات ہے جتنی کہ محنت کی تقسیم۔ دور دراز عرصہ سے تقسیم محنت کا آغاز ہوا۔ پتھر کے زمانہ

سے جب انسان سیر و شکار اور لوٹ مار مچانے جاتا تھا اور عورت روٹی پکاتی تھی۔ پھر انسان نے صرف اپنی ساخت پر غور کر کے ایک بڑے پیمانہ پر محنت کی تقسیم کی۔ ہاتھ اور پاؤں سے یہ عیاں ہے کہ یہ بالکل مختلف کام سرانجام دیتے ہیں۔ نہ کان دیکھ سکتے ہیں نہ آنکھ سن سکتی ہے جو کچھ قدرت کا تقاضا ہے کیا وہ نہیں ہونا چاہیئے؟ تاہم اول اول سوچنے والا بشر جس نے محنت کی تقسیم کی ضرورت کو محسوس کیا۔ ایڈم سمتھ تھا جو اٹھارھویں صدی کے دوسرے نصف حصہ میں ہوا۔ اس طرح یہ امر واقع جو کئی ہزار برسوں سے کروڑہا بار آنکھوں کے سامنے آیا مگر اس کی اصلیت روشن نہ ہوئی جب تک کہ یہ ۱۷۷۶ء میں ہمارے ضمیر کے خیالات کا جزو نہ بن گیا ؎

انسان ایک بڑی پیچیدہ شے ہے۔ اس کو ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ خوراک پکی ہوئی ہو اور اولاد کی خواہش ہوتی ہے۔ وہ سیاسی۔ ملکی۔ عقلی اور اخلاقی ضرورتوں کو محسوس کرتا ہے۔ ان میں سے ہر ایک ضرورت اس کو کام کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔ جب کبھی اس کو معاملات کی سرانجام دہی میں مشکلات پیش آتی ہیں۔ خواہ وہ قدرتی حالات سے پیدا ہوں خواہ مختلف قسم کے اور اسباب سے یا اپنے ساتھیوں کی حرکات سے۔ وہ ان سب کو عبور کرتا ہوا محسوس کرتا ہے۔ اس کو پُر اثر بنانے اور قلیل عرصہ میں انجام دینے کے لئے مختلف ذرائع محنت۔ مشقت۔ سرگرمی۔ جوش و استقلال وغیرہ کا استعمال کرنا ازحد ضروری ہے :-

مسٹر جاہنز اور مسٹر ولبرٹ کے ہمخیال روز و شب ایک ہی خیال پر سوچتے ہوئے اس سادہ سچائی کی طرف دھیان نہیں دیتے وہ قیاس کرتے ہیں کہ ایک کشمکش تو انجمن کی جانب سے ہوتی ہے کہ پڑوسی کی زمین کو چھین لے۔ اور لڑنے کا صرف ایک ہی طریق ہے وہ یہ کہ

میدان کارزار میں جا کر ڈھیر ہو جائے +

اور پھر فرانسیسی مصنّف کے اندر اس قدر تنگ خیال کا ہونا ایک عجیب بات ہے کیونکہ اس کا اپنا ملک سخت جوشیلی لڑائیوں کا مرکز ہے جو قصابانہ طور پر نہیں لڑی جاتیں +

اوّل اوّل کفایت شعاری کے لحاظ سے جنگ کو شوشلزم نے ایک اہم مرتبہ دیا ہے۔ بعد میں فری تھنکر اور کیتھلک چرچ میں لڑائی ہے جس نے (Radical Gosset) کے وقت میں ایک تند اور تیز حالت اختیار کر لی تھی اور آخیر میں ۱۲ کروڑ لیٹگو دو کین۔ فلیمگس اور کلٹ کے ملانے یا ہضم کرنے کا سوال ہے (با اقتدار قومیت میں شمولیت کی خاطر) اس کے علاوہ فرانسیس الجبریا والوں کو گیلک بنانے میں سرگرم ہیں۔ کیا باعث ہے کہ ولبرٹ کی نگاہ ان زیادہ ضرور مسئلوں کی طرف نہیں جاتی؟

کشمکش کا مدعا صرف فتح نہیں ہے اور صرف جنگ ہی ذریعہ نہیں ہے۔ جہاں تک کہا جا سکتا ہے۔ جنگ یا قتل اجسام اور خوراک اور کشمکش کے سوا اور کسی پر اثر نہیں ڈالتے۔ رام بھوکا ہے اُس کو کوئی خوراک ڈھونڈنے پر بھی نہیں ملتی تو شام پر ٹوٹ پڑتا ہے اس کو مار ڈالتا ہے اور کھا لیتا ہے۔ یہ بے رحم مگر مناسب فعل ہے۔ اگر ہم نباتات اور جانوروں کے ساتھ جنگ نہ کریں اگر ہم اُن کو قتل نہ کریں تو ہمارے لئے جینا دو بھر بلکہ ناممکن ہو جائے۔ مگر وہ جسمانی درجہ گزر چکا ہے اب جنگ بے اثر طریق ہے۔ سیاسی کشمکش کا مطلب زر و مال سے ہے جونہی کہ جنگ چھڑتا جاتا ہے تو دولت کا بڑھنا تو کہاں رہا بلکہ گھٹنا شروع ہو جاتا ہے۔ عقلی کشمکش کا مقصد یہ ہے کہ باقی انسان بھی میری طرح سوچیں۔ جونہی کہ ہم اپنے خیالات پر دوسروں کو لانے کی خاطر جنگ اُٹھاتے

ہیں ہم ان خیالات کو بڑھانے کی بجائے ان کی وسعت کو کم کرتے ہیں۔

جب سماجک کشمکش کے مختلف ہونے کا خیال ہماری ضمیر کے خیال کا حصّہ بن جائیگا جب یہ عوام کی ملکیت ہو جائیگی۔ تو لوگ اسباب کو دیکھ کر ششدر ہونگے کہ اتنے لمبے عرصے تک یہ صداقت کیوں پوشیدہ رہی؟ افسوس! بسا اوقات گدھے کی پل کو پار کرنا بڑا ہی سخت کام ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ سائینس کی تمام سرگرمی ہم کو خاص صداقتوں کیطرف لے جارہی ہے جن کو اس طرح بیان کرسکتے ہیں:۔

لاپلیسی کے پاس ثروت وحشمت نہ تھی۔
وہ مشکل سے زندہ رہتا تھا۔
جب اُس کے پاس چیزوں کی بہتات ہوئی۔
وہ فروغ حاصل کرنے لگا۔

اس سے کوئی انکار ہی نہیں ہوسکتا۔ ابھی ہم ناظرین کو اس سے بھی عجیب صداقت پیش کرینگے۔ جو کئی ہزار برسوں سے پوشیدہ رہی ہے اور اب لوگوں کی بڑی تعداد سے قبول نہیں کی جاتی۔ "بربادی مچانے سے دولت میں بڑھتی نہیں ہوتی"۔ یقیناً اگر لاپلیسی نے اس کو سُن لیا وہ قبر کو ڈھونڈھیگا۔ جیسا کہ ہم نے پچھلے باب میں دکھایا کہ تواریخی عرصہ میں ۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰،۱۶۰ پونڈ سرمایہ برباد ہوا ہے۔ ہمیشہ یہ بھول کرتے ہوئے کہ بربادی دولت کو بڑھاتی ہے۔ اگر انسان لاپلیسی کی صداقت کے مطابق اپنا وطیرہ ایسا باوضع بنائے کہ بربادی سے آبادی نہیں ہوتی تو کوئی فتح کے لئے جنگ برپا نہ کریگا۔ کیونکہ لوگوں کو معلوم ہو جائیگا کہ جنگ فاتح اور مفتوح دونو کو غربت کے گڑھے میں دھکیلتی ہے ایسی خوشی کا زمانہ کب آئیگا۔

دوسری انسانی کشمکشوں پر بھی حالات اپنا اثر ڈالتے ہیں ان کے کئی ایک مدعا ہیں۔ ہر ایک مقصد کے حصول کے واسطے لاگ لپیٹ کے

طریقے الگ الگ ہیں۔ جب انسان اپنے فعل و عمل کو اس ابتدائی صداقت کے مطابق ڈھالیگا تو دنیا کے تختہ کا رنگ بالکل بدل جائیگا +

وحشی طاقت کے دیلی دوست

ڈاروِن کی اِدراک نے سائینس کے تمام حلقوں میں ایک زبردست ہلچل مچادی۔ ہماری نگاہ کو روکنے والا ایک پردہ بالکل ہٹ گیا۔ صدیوں تک واقعات کو بار بار دیکھنے پر اُن کا سائینس میں استعمال نہ ہوا۔ ہم کو معلوم ہوا کہ ہر ایک درخت پر ایک گھاس کا پتّہ یا تنکا اپنے ہمسائیوں کے ساتھ جنگ کرتا ہے تاکہ وہ زمین سے عناصر اور سورج کی کرنیں اپنی پرورش کے لئے پکڑلے۔ ہم نے جان لیا کہ ہر ایک کیڑا ہر ایک جنتو صرف دوسرے جانوروں کو تباہ کرنے سے ہی زندگی برقرار رکھ سکتا ہے۔ نباتاتی اور حیوانی حلقہ سے باہر یہ کشمکش کا خیال سب کہیں استعمال کیا گیا۔ ہم کو معلوم ہوا کہ کشمکش قدرت کا ایک عالمگیر اصول ہے۔ کیمیائی مرکب بننے پر رضامند ہیں۔ ستاروں کے مجموعہ اور ستارے فرداً فرداً ایک دوسرے سے مقابلہ کرتے ہیں تاکہ دیکھیں کہ کون اجرام فلکی میں زیادہ مادہ پھیلاتا ہے خود ہمارے جسم کا قطرہ قطرہ ایک تند جنگ میں لگاتار مصروف ہے ہمارے دماغ میں خیالات ایک دوسرے پر فضیلت حاصل کرنے کے لئے کشمکش کرتے ہیں۔ غرضیکہ ہم ہر جگہ دائمی طاقت کے ظہور کی کھچاتانی کو سرگرمی کی صورت میں دیکھتے ہیں۔ ڈاروِن کے طفیل عالم کل کے بارے میں تمام خیالات میں تبدیلی ہوئی ساکن سے یہ حرکت پذیر ہوگیا +

جیسا کہ ہر ایک ملکی تحریک کا پلڑا اس کے مقصد سے کہیں زیادہ پڑتا ہے۔ اُسی طرح ہر ایک نیا قیاس اپنی حد سے زیادہ دلوں کو تسخیر کرلیتا ہے۔ جتنی صداقت زیادہ ہوتی ہے اتنا ہی اُس کا بہاؤ تیز رفتار ہوتا ہے

یہ ہر ایک چیز کو ڈبو دیتا ہے۔ یہ ہمیں کتنے خاص ظہوروں کی طرف نگاہ دوڑانے سے روک دیتا ہے جو کہ بہت ہی ضروری ہوتے ہیں ؛

سماجک (سوشیل) ظہور عین ہی عالم الحیات کے ظہوروں سے مشابہت نہیں رکھتے وہ ایک بڑی تعداد میں نئے جزو فراہم کرتے ہیں جن کو کبھی نظر انداز نہ کرنا چاہئے۔ چونکہ حیوانی اقسام کی کشمکش میں زیادہ تر قتل کا طریق استعمال میں لایا جاتا ہے۔ تو یہ ضروری نتیجہ نہیں ہے کہ انسانی اقسام بھی ایسے ہی طریق اختیار کریں۔ جسمانی لحاظ سے کشمکش کے علاوہ انسان کے لئے سیاسی۔ ملکی عقلی کشمکش کے دائرے وسیع ہیں جو حیوانوں کے مابین مطلق نہیں ہیں۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ جسمانی کشمکش کے عالم میں حیوانات کی اقسام با اقتدار انسان تک ختم ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ انسان ایک دوسرے کو نہیں کھاتے ؛

یہ ایک وہ بات ہے جس طرف قیاس کرنے والے تا ہنوز مائل نہیں ہوئے ڈارون کے موہنے خیالات پر موہت ہو کر اُنہوں نے اندھے بنکر اُن کو تسلیم کر لیا یہ نہ دیکھا کہ سماجک حالات میں ان میں کیا کیا تبدیلی پیدا ہوتی ہے ؛

اقسام حیوانی کا آغاز" اوّل اول ۱۸۵۹ء میں شامل ہوا چند سال بعد ایک بڑے ملکی" اعلےٰ طبع "بسمارک کا ظہور قابل شکریہ ہے۔ یورپ بمقابلہ وحشت کے زمانہ کی طرف بڑھا۔ پرشین صوبوں کی تنگ دلی۔ نپولین کی سنگدلی اور اولوالعزمی نے سوائے طاقت وحشی کے کسی کی پرستش نہ کی۔ نپولین کو سوائے تلوار سے جنگ برپا کرنے کے اور کوئی وطیرہ نہ سوجھتا تھا۔ اُس نے طوطی بجا دی کہ سنگین۔ قانون سے بڑھ گئی ہے اور افضل ہے اور دنیا میں ہر ایک کارِ عظیم خون ریزی اور شمشیر زنی سے سرانجام دیا جا سکتا ہے۔ جرمنی میں اس کی عزت و

شہرت بہت کافی تھی۔ وہ ایک چھوٹے ذی رُتبہ دیوتا کے برابر عزیز اور قابل پرستش سمجھا جاتا تھا۔ غلامانہ چاپلوسی کے تحفہ جات جو اُس کے ملک میں ہم (روسیوں پر) نچھاور کئے جاتے تھے۔ جرمنی لوگوں کی ایک بڑی جماعت کی گرواوٹ کو بمقابلہ دوسرے طریق کے نہایت اچھی طرح نمایاں کرتے ہیں +

ڈارون کے صرف ایک پہلو کو واضح کرنے کی غلطی سے اور دوسری طرف بسمارک کی زیادہ عزت ومنزلت ہونے سے ایک نئے قیاس کا ظہور ہوا۔ جنہوں نے اپنے رنگ ڈھنگ کے مُطابق تواریخ کو دوبارہ بنایا تحقیق وتدقیق کو ہاتھ میں لینے سے پہلے انسانوں کو ضروری ہے کہ وہ پہلے سے بنائے ہوئے خیالات کو جمع کریں اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حقیقی صورت میں جس طرح اشیا ہیں اُن کو بعینہٖ ویسی ہی دکھائی پڑینگی۔ نہ کہ اس صورت میں جس طرح کہ وہ خود چاہتے ہیں خیال خواہش کا بچہ نہ ہو بلکہ خواہش خیال کا بچہ ہو یہ ایک زرین اصول ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بھدّے سے مسئلہ کا استحام بے سروپا اور بے ڈھنگے خیالات سے مزید تائید کی صورت میں تواریخ کے ورقوں میں موجود ہے +

گرٹز یونیورسٹی کے پروفیسر سرگمپلووِز نے ۱۸۸۳ء میں "فرقوں کا جنگ (Race War) نامی کتاب شائع کی۔ جس میں وحشیانہ طاقت کے قیاس کی رغبت کو بخوبی واضح کردیا۔ مصنّف کہتا ہے کہ انسانوں کا کثیر الازدواج سے آغاز ہوا ہے۔ ہر ایک فرقہ ایک خاص وحشی سے شروع ہوا ہے یہی وجہ ہے کہ انسانی فرقوں کے مابین نفرت اور مخالفت ہمیشہ سے چلی آئی ہے۔ اور ان کو دُنیا کے خاتمے تک تقسیم کرتی چلی جائینگی۔ مصنّف نتیجہ اخذ کرتا ہے" فرقوں کے مابین دائمی کشمکش تواریخ کا ایک قانون ہے جبکہ دائمی امن وامان سوائے وہمی

اشخاص کے خواب کے کچھ بھی نہیں ہے"۔ اس کے شاگرد مسٹر رٹز ہوفر
نے اس کے اس خیال کو اصول کا جامہ اس طور پر پہنایا ہے" دو فرقوں
کا باہمی میل ملاپ غصہ اور غضب بر آمد کرتا ہے وہ ایک دوسرے کو
نیست و نابود کرنے کے لئے جنگ پر آمادہ ہو جاتے ہیں یا میل ملاپ
قطعی طور پر چھوڑ دیتے ہیں "+

اس وقت تک اس بات پر بھروسا کیا گیا ہے کہ انسان ایک دوسرے
کے ساتھ زر۔ زن اور زمین کے حاصل کرنے کے لئے ایک مذہب اور
ایک تہذیب کو پھیلانے کے لئے جنگ برپا کرتے ہیں۔ ان سب حالات
میں جنگ ایک مقصد کے حصول کا ذریعہ ہے۔ نئے اصول دان
کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ غلط ہے۔ انسان مختلف نطفوں سے پیدا ہوا
ہے لہذا اسے مجبوراً ایک دوسرے کو قتل کرنا چاہئے۔ قانون قدرت
قسمت کے سایہ کے نیچے وحشیانہ قتل عام کرتا ہوا دکھائی پڑتا ہے +

کیا ہی خوب! آؤ ہم دیکھیں کہ کیا یہ ڈراؤنے قیاس واقعات
کے روبرو بھی ٹھیر سکتے ہیں +

۱۸۶۵ء میں ۱۳۲ ویلز والے گولو لوڈ واقع پٹاگونیا کے ساحل
پر جہاز سے اُترے۔ اُنہوں نے کام کرنا شروع کیا مگر فصل خراب ہوئی
اور چھوٹی سی نو آبادی میں فاقہ کشی تک نوبت آگئی"۔ اصلی ہندوستانیوں
ہئیول پچے سے اوّل اوّل ملاقات ہونے پر خوش قسمتی سے اُن کے
ساتھ رشتہ دوستی قائم کیا۔ اور ہندوستانی اِن کو خوراک دیتے۔ ان کے
لئے شکار۔ مچھلی۔ پھل سے آتے اور تبادلہ میں انگلینڈ کی ساخت شدہ چند
چھوٹی چھوٹی اشیاء لے جاتے۔" کیلٹس کے مقابلے میں کیا ویلز اور پٹاگونیا
کے ہئیول پچے کے زیادہ مختلف فرقوں کو کبھی کوئی دیکھ سکتا ہے اور ہم مسٹر
رٹز ہنوفر سے پوچھتے ہیں کہ ان دو اقوام نے اوّل ملاقات پر ایک دوسرے

پر برچھی کٹاری کیوں نہ چلائی اور ایک دوسرے کو نیست و نابود کرنے کے لئے جنگ پر کیوں نہ آمادہ ہوئے؟ ہمارا جواب یہ ہے کیونکہ ایک ایسی جنگ کی تصور کردہ قسمت کا ظہور محض ایک دماغ سے پیدا ہوا ہوا ہے۔ ہر جاندار خوشی اور راحت کے پیچھے دوڑتا ہے نہ کہ کشمکش کے۔ دو فرقوں کو ملاپ آپس میں بالکل مختلف نتائج پیدا کر سکتا ہے۔ دشمنی اور دوستی جو باہمی فوائد اور صدہا اتفاقی حالات پر مبنی ہے۔

اگر ناظرین کو تھکاوٹ کا خوف نہ ہو تو واقعات بیان کئے جا سکتے ہیں۔ جو یہ ثابت کریں کہ کتنے ہی موقعوں پر دو مختلف فرقوں کا ملاپ خوشی کو بڑھانے والا ہوا ہے۔ جیسا کہ ویلش اور ہیبول چے کا۔ اس کے برخلاف ہو نہیں سکتا۔ اگر مسٹر گمپلووگز اور مسٹر رٹز ہنوفر کے اصول درست ہوں تو سائی کالوجی اپنی جڑ سے ہل جل کر الٹ پلٹ ہو جائیگی۔ ہمیں یہ تصور کر لینا چاہئے۔ کہ کتنے ہی کام بلا رضامندی کے سرزد ہو جاتے ہیں۔ جب کبھی انسان اپنی یا دوسری قسم کے جانداروں پر حملہ کرتا ہے وہ کچھ تو نفع کی خواہش کے زیر اثر اور کچھ آنے والی مصیبت سے حفاظت کرنے کے خیال سے۔ وہ اپنی رضامندی کے نہ ہونے پر بھی کئی ایک فعل سرزد کرتا ہے۔ مگر دو فرقوں کے مابین نیست و نابود کرنے کی خاطر جنگ کا برپا ہونا ایک فعل بغیر مقصد کے ہوگا۔ لہذا علم روح کے مطابق یہ ناممکن ہوا۔ صرف غیر کی صورت کا نمودار ہونا ہمیشہ ہی اپنے طور پر ضرر رساں نہیں ہوتا۔ ہر ایک نئی چیز کو ناگوار خیال کرنے کی عادت بیشک خصلت انسان کی ایک صفت ہے۔ لیکن ہر ایک نئی چیز۔ ٹھیک ہی اُس کے عین اُلٹ۔ کئی انسانوں کو بھلی معلوم دیتی ہے۔ اور کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ یہ ایک نہایت ضروری صفت ہے۔ یک رنگی مشکلات اور عذاب حقیقی پیدا کرتی ہے۔ ایسے واقعات

بہت ہیں جبکہ غیر ملک کے باشندوں کی آغاز تعلق میں خواب تواضع ہوتی ہے اگرچہ ارد گرد کے حالات بھی سخت مخالف رہے +

یہی تو وجہ ہے کہ ہم پھر دوہراتے ہیں کہ دو سوشیل گروہوں کا ملاپ بالکل مختلف نتائج پیدا کرتا ہے کوئی ہیبتناک قسمت ہمیں مجبور نہیں کرتی کہ ہم جنگلی حیوانوں کی مانند قدامت سے ایک دوسرے کو قتل کرتے چلے جائیں۔ ایک تصور کردہ قسمت پر جتنے بھی اصول بنائے گئے ہیں وہ خالص تاریکی ہیں اور اصل حقیقت سے کلی طور پر مبرا ہیں +

یہاں پر ہمیں ایک اور غلطی ظاہر کرنی چاہئیے جس نے زمانہ قدیم میں بڑی مصیبت ڈھائی ہے یعنی تصور کردہ فرقوں کی جنگ یہ بھی صرف خیالات کی پیدا شدہ ہے۔ اب تک کسی فرقے کی جنگ نہیں ہوئی اس کا موٹا سبب یہ ہے کہ فرقوں کو اپنی اکیلی شخصیت کا کبھی خیال نہیں آیا۔ جب ملکی فضیلت کے لئے جنگ دو مختلف زبانیں بولنے والے گروہوں میں چھڑ گئی تو وہ اتفاق سے فرقوں کے مابین جنگ ہو گئی۔ اہل جرمن سلاد سے اپنی مشرقی سرحد پر جنگ نہ کرینگے۔ کیونکہ وہ ان سے نفرت کرتے ہیں۔ کسی خطۂ زمین پر لالچ سے قبضہ حاصل کرنے کی خاطر وہ تیار ہو جائینگے۔ (چارلمیگن نے جو سیکسنوں کے برخلاف لڑائیاں لڑیں وہ اتنی ہی بے رحمانہ تھیں جتنی کہ سلاد کے برخلاف جرمن کی مگر چارلمیگن اور سیکسن ایک ٹیوٹینک خاندان سے ہیں۔) فرانسیسوں نے دریائے رائن کے ساتھ ساتھ فتوحات کبھی اس لئے نہیں کیں کہ وہ جرمن والے سے حقارت کرتے تھے بلکہ اس لئے کہ وہ اپنے علاقہ کو وسعت دینا چاہتے تھے اور اسی مطلب کو مد نظر رکھ کر وہ سپین والوں سے لڑے اگرچہ سپین

والے بھی ان کی طرح لاطینی ہیں +

قومیت کا خیال جو زیادہ محسوس کیا جاتا ہے دراصل حال کا پیدا شدہ ہے - اور فرقوں کا خیال یقیناً اس کے بعد کا ہے سافرک اور اس کے تعریف کنندہ کے کام کا یہ نتیجہ ہوا کہ سلاو کے اندر اپنے فرقوں کے اتحاد کا ایک جذبہ بہت تھوڑے عرصہ (صرف ساٹھ سال) میں مشتعل ہو گیا - سویڈس - ونیز - جرمن سب نسل کے ٹیوٹن ہیں - اگر اس بات نے اُن کو سخت لڑائیاں لڑنے سے نہیں روکا اور نہ ہی اس نے متحدہ انسٹیٹیوشن قائم کرنے کی تحریک کی تو کسی اور چیز کا خیال فرقے کے خیال سے زیادہ رواجی نہیں ہے - کسی جگہ پر فرقوں کی حدبندی کی جا سکتی ہے ؟ ہم صرف قیاسی خیالات سے اس کا زبردستی فیصلہ کر لیتے ہیں ؎ - اس وجہ سے فرقوں کی تفریق نے ملکوں کی تواریخ پر بہت تھوڑا اثر ڈالا ہے - عرب اور سپین دو بالکل مختلف فرقوں کے مابین ربط ضبط ناممکنات معلوم پڑیگا - مگر ہم اصلیت میں کیا دیکھتے ہیں ؟ کہ مشہور و معروف سڈ کمپیٹیڈور سپین کا قومی بہادر - بعض دفعہ مسلمان امیروں سے مل جاتا ہے تاکہ بھائی شہزادوں کے برخلاف لڑے - وسطی زمانے کے جنگوں کا مدعا حتےٰ المقدور زیادہ سے زیادہ ملک گیری کا تھا اور موجودہ وقت تک جنگ کا خاص سبب یہی رہا ہے - ہم برملا کہتے ہیں کہ کوئی ایک اکیلے عاصرے کا نام لے جس میں ارادۃً ایک فرقے کے فوائد کو مدِ نظر رکھا گیا ہو +

؎ اگر جسمانی اختلاف جو ایک فرانسیسی کو جرمن سے علیحدہ کرتا ہے - فرقوں کی حدبندی مانا جاوے تو یہی جسمانی اختلاف ایک نارمن اور ایک پرووِنکل کے مابین کیوں عاید نہیں ہوتا ؟ وہ اب بھی اتنے بڑے ہیں - مگر تقسیم کی لکیر کہاں کھینچی جاوے اسی طور پر یہ کہنا معقول ہو گا کہ برٹن اور پرشین مختلف فرقوں سے ہیں - دراصل

مخالفت اور سپاہگری

خوشی کی بات ہے کہ جہاں مسٹر گمپلو وِگز اور مسٹر رٹسزن ہنو فر کے اصول جتنے کاذب ہیں اتنے ہی بے رحم بھی ہیں۔ اول اول انسان کی بعید الفہم قسمت رہنما ہوئی مگر انسان نے اپنے فائدے کے لئے ہی صرف ایسا جانا۔ چونکہ انسان مختلف والدینوں سے پیدا ہوئے ہیں اس لئے یقیناً ایک شوشیل گروہ دوسرے شوشیل گروہ کو قیدی کرنے کے لئے تیار نہ ہو جائیگا۔ تھوڑا ہی دھیان دینے کی ضرورت ہے اور بات بھی صاف ہے کہ میرا ہزار نسلوں سے پہلے کون بزرگ تھا جس کی ہم چنداں پرواہ نہیں کرتے۔ وہ صرف یہی نقطہ ہے کہ تھوڑے سے تھوڑے کام کے بدلے ہیں زیادہ سے زیادہ آسائش و آرام حاصل کریں ؛

مگر اس سے زیادہ کچھ اور۔ وہ مصنّف جن کا ابھی ذکر ہوا ہے اس سوال کے دُوسرے پہلو سے غافل رہے ہیں۔ اُنہوں نے صرف لڑائی دیکھی مگر ربط و ضبط کے ظہور کو تو نہیں دیکھا اور نہ ہی اس مد میں کسی قسم کا زور ڈالا۔ اس کیمیا گر کی کیا حالت ہوگی جو صرف اجزا کرنے والی طاقتوں کا ملاحظہ کرتا ہے اور ان کو مرکّب کرنیوالی طاقت کو قطعی نظر انداز کر جاتا ہے۔ ایک ہی ظہور کے یہ دونو پہلو بڑے ضروری ہیں۔ عالم بھر سے ذرّات غائب نہیں ہو سکتے اگر وہ ایک حِصّہ سے الگ ہوتے ہیں تو دوسرے کے ساتھ مل بھی ضرور جاتے ہیں۔ کیمسٹری دراصل ذرّات کے مرکب کرنے کا علم ہے۔ یہی عام لوگوں

بقیہ نوٹ صفحہ ۸۱ سے۔ یہ حد بندی قدرت میں نہیں پائی جاتی مگر یہ صرف ہمارے دل کے عکس کا خالص اثر ہے ؛

کے بارے میں درست ہے۔ سوشیل گروہوں کو خصوصیت دینے والے
جنگ اور عہد وپیمان دونو ایک ہی وقت میں اور ساتھ ساتھ واقع ہونے
والے ظہور ہیں۔ مسٹر لاکوہب کہتا ہے ؛-

" چند قاتل جنہوں نے ایک جماعت سے جنگ کی ٹھان لی ہو۔
اکٹھے ہو جائیں اور اپنی متحدہ انجمن قائم کرلیں۔ وہاں جلد ہی ایک
ضروری شرط قرار دی جائیگی کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کو قتل نہ کریں "+

ایک جماعت اگر دوسری جماعت سے جنگ کرنے پر آمادہ ہو جائے
تو وہ آپس میں اتحاد کی شرط کو قائم کرلینگے اور اُس کو برقرار رکھینگے +
مسٹر نمپلووِکز اچھی طرح جانتے ہیں کو اٹرزی زمانہ میں سینکڑوں
انسانوں کی جماعتیں ملکر اور سوشیل گروہ بنکر ایسے دوسرے گروہوں سے
لڑاتے تھے۔ ۱۸۷۰ء میں ۳۸ لاکھ فرانسیس جرمن کی اتنی تعداد سے
لڑے اگر یہ گروہ " ایک دوسرے کو نیست ونابود کرنے کی خاطر جنگ کرتے"
یا اگر وہ ہمیشہ "عہد وپیمان سے کنارہ کشی کرتے " تو اتنی بڑی انجمنیں
کیونکر بن جاتیں۔ دراصل جماعتوں۔ فرقوں۔ گروہوں۔ شہروں۔ اور
صُوبوں کے مابین کبھی اتنی تعداد میں عہد وپیمان ہوئے ہیں جتنے کہ
جنگوں میں جب کبھی خصومت وعداوت کا آغاز ہوتا ہے یار دوست
چن لئے جاتے ہیں۔ تواریخ صوبوں کے جتنے جنگ وجدل بیان
کرتی ہے اتنے ہی عہد وپیمان +

آجکل یورپ دو خیموں میں تقسیم ہوا ہوا ہے۔ ٹرپل ایلائنس
(اتفاق ثلاثہ) میں بندھی ہوئی جماعت ایک طرف۔ فرانس اور روس
دوسری طرف۔ یہاں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ اتفاق مخالفت کے ساتھ ساتھ
جاتا ہے۔ اس کے علاوہ کیا مسٹر نمپلووکز نہیں دیکھتے کہ گروہوں اور
انجمنوں کی تعداد لاانتہا ہے ؟ اگر سب کا کل ہی ایک عہد وپیمان

ہو جائے تو کوئی شے ۱۴ ارب ۸۰ کروڑ انسانوں کو ۱۳ کروڑ ۵۰ لاکھ مربع کیلومیٹر زمین لینے سے نہ روکیگی۔ جیسا کہ تین ارب ۸۰ کروڑ انسان ۲ کروڑ اور ۵۰ لاکھ مربع کیلومیٹر میں امن وامان سے بسے ہوئے ہیں (پہلے دو عدد دنیا کی کل آبادی اور تمام براعظموں کے رقبہ کو ظاہر کرتے ہیں پچھلے دو عدد انگریزی راج کی آبادی اور وسعت کو ظاہر کرتے ہیں)۔

ڈارون کا قانون کسی طور پر مخل نہیں ہوتا کہ تمام انسان ایک پنچائت بن جائیں۔ جہاں کلی طور پر امن وامان ہو ×

مگر آپ کہینگے کہ قدرت کے عالمگیر قانون یعنی دائمی کشمکش کو کس طرح روکا جائے؟ اس کا جواب سادہ ہے۔ آپ کو اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ قتل عام ہی فقط ایسی چیز نہیں ہے جو کشمکش کو ظاہر کرتی ہو۔ جو کچھ بھی ہو صوبہ میں وقوع میں آتا ہے وہ سب کچھ انسانوں کی پنچائت میں واقع ہوگا۔ مگر کسی طریق سے یہاں کشمکش بند نہیں ہوگی۔ مگر یہاں صورت دیگر ہے۔ جیسے سیاسی مقابلہ۔ وکیلوں کی جرح۔ ججوں کے فیصلے۔ میونسپل ممبروں کے ووٹ۔ پنچائتی فیصلے۔ پارلیمنٹ کے بحث مباحثے۔ انجمن۔ جلسے۔ لیکچر۔ سرمن۔ سکول سائینس کے ایسوسیایشن۔ کانگرس۔ پمفلٹ۔ کتابیں۔ اخباری رسالے۔ غرضیکہ تحریر تقریر کی وسعت میں ہمیشہ کشمکش کی گنجائش رہیگی۔ اور ہمیں یہ فرض نہیں کرنا چاہئے کہ ان طریقوں کو قتل پر اس لئے ترجیح دی گئی ہے کہ انسان اب بہتر بن گئے ہیں۔ اس سوال میں کوئی گیت حصہ ادا نہیں کرتا۔ ان طریقوں کو اس لئے استعمال کیا گیا کہ یہ زیادہ پر اثر ہیں اسلئے ان کے طفیل جلدی اور بہ آسانی مطلب براری ہو جاتی ہے۔ کونٹ کیسپر دی سے ایک مرتبہ لیبکنیکٹ نے کہا "ہم آپ کو گلی کوچوں میں انسانوں کو نشانہ بنانے کی اجازت کبھی نہ دینگے"۔ اگر سوشلسٹ ہتھیاروں سے لڑنے

پروونٹ دینے کو ترجیح دیتے ہیں تو اس لئے نہیں کہ اُن کی کنزرویٹیوں کے ساتھ کسی قسم کی محبت ہے ÷

تین ارب ۸۱ کروڑ انگریزی رعیت ۲ کروڑ ۵۰ لاکھ مربع کیلومیٹر میں برابر لگاتار زیادہ تر بیان کئے ہوئے طریقوں کو عام حالات میں استعمال کرتی ہے۔ اور ان کا اچھی طرح سے استعمال چودہ ارب ۸۰ کروڑ انسانوں کے لئے ۱۳ کروڑ اور ۵۰ لاکھ مربع کیلومیٹر کی وسعت میں ہو سکتا ہے تب مانو کہ کل عالم کی ایک پنچائت قائم ہو جائیگی ÷

ہم یوں کہتے ہیں کہ فرانسیسوں کا ملکی اتحاد دنیا میں بنا ہوا ہے ؟ صرف اس لئے کہ عام حالتوں میں یہ ایک دوسرے سے جنگ نہیں کرتے۔ مگر کیا اس سے یہ مراد ہے کہ انہوں نے باقی تمام طریق جو ہم نے بیان کئے ہیں۔ کشمکش کے چھوڑ دئے ہیں ؟ کبھی نہیں۔ مخالفت اور سپاہگری کا ملاپ بڑے آسان طریق سے ہو جاتا ہے اگر ایک بار لوگ گدھے کی پل کو عبور کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔ اور حقیقی طور پر یہ جاننے کا فیصلہ کر لیں جس کو زبان سے ہزار ہا بار واضح کیا ہے۔ کشمکش ہمیشہ نہایت ہی مختلف طریقوں سے عمل میں آتی ہے غرضیکہ انسانوں کے درمیان سیاسی ملکی عقلی مقابلہ کبھی بھی بند نہ ہوگا۔ لہذا مخالفت ہمیشہ برقرار رہیگی۔ مگر جتنی جلدی انسان ایک دوسرے کے قتل کو روکنے کی طرف قدم بڑھائیگا اتنی ہی جلدی سپاہی گری اُنکے درمیان قائم ہوتی جائیگی ÷

تمام انسانی گروہوں میں ایک ہی وقت میں مخالفت اور سپاہگری اپنی اپنی ہستی رکھتی ہے۔ مثال کے طور پر ایک جماعت کے مانیٹر بننے کے لئے لڑکے بھی آپس میں مقابلہ کرتے ہیں مگر ان کے اندر سپاہی گری کے خیال ہوتے ہیں اور جب کبھی کسی دوسری جماعت

کے ساتھ ان بن ہو جائیگی تو اُن کا عمل اکائی کے بموجب ہو جائیگا
چین والوں کے تین کروڑ ساٹھ لاکھ سپاہی اگر کل ہی مغربی تہذیب
کا خاتمہ کرنے پر تیار اور آمادہ ہو جائیں تو اس وقت جرمن فریچ۔ انگریز
اطالوی اور روسی جن کا آج اس قدر اختلاف ہے فوراً ایک اتحاد قائم
کرینگے اور اُن کا نفع یکساں ہو جائیگا ؛

مسٹر گمپلوگز اور دوسرے قتل کے مختار ایک دوسرے غلطی
سرزد کرتے ہیں۔ وہ نہایت ہی ناعاقبت اندیش ہیں۔ وہ خیال
کر لیتے ہیں کہ انسان کا دشمن صرف انسان ہے۔ یہ ایسا نہیں ہے
انسان کے اس سے بھی بیشمار نہایت خطرناک اور نہایت بے رحم
دشمن ہیں۔ یعنی حالات موسمی۔ خاص خاص جانور اور اقسام
نباتات ہیں۔ تپ دق کے مائکروب سے ہمارے کتنے کروڑوں ہمزاد
بھائی فنا ہو جاتے ہیں۔ ہیضہ اور ظالم پلیگ کا ذکر تو ایک طرف رہا۔
فائی لوکسرا (یہ کیڑے کی قسم ہے جو انگوروں کو بہت نقصان پہنچاتی
ہے۔ جس سال یہ انگور کی جڑ کو لگ جاتا ہے اُس کے دوسرے برس
اس کے پتے زرد اور قد پست ہو جاتے ہیں) سے فرانس کو پرشین
مالی نقصان کے مقابلہ میں پانچ ہزار کروڑ پونڈ زیادہ نقصان برداشت
کرنا پڑا ہے۔ بیشمار مفت خورے کیڑے ہماری فصلوں کا ستیاناس
کر دیتے ہیں۔ جس سے لکھو کھا انسان بھوک اور تنگ حالی کے
سبب موت سے دو چار ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ یورپ کی سخت
سرد اور مارہ کی سخت گرم آب وہوا کس قدر تکلیف دیتی ہے
صرف ان دو اسباب سے۔ لاتعداد مظلوموں کی گنتی کا اندازہ کرو۔
اس کے علاوہ آندھی۔ طوفان۔ طغیانی۔ خشک سالی وغیرہ ایسی
ناگہانی آفات ہیں کہ کتنے ہی بدنصیب ان کے شکار ہو کر دم توڑتے

ہیں۔ ان کی تعداد صدہا نہیں بلکہ کروڑوں تک پہنچی ہے *

سب کا ایک متفقہ دشمن دوست و مددگار پیدا کر دیتا ہے۔ اہل جرمن ۱۸۶۶ء میں ایک دوسرے کے ساتھ لڑتے رہے۔ صرف ایک سال کے عرصہ کے بعد فرانس کے مقابلے میں سب اکٹھے ہو گئے کیونکہ وہ ان سب کا دشمن تھا۔ یورپ جو اس قدر گہرا تقسیم ہوا ہوا ہے چین کے مقابلے میں یکدم ایک ہو جاویگا۔ جب ہم چھچھوندر سے بھی زیادہ اندھا بننا چھوڑ دینگے تو ہم ابتدائی صداقت کو تسلیم کرینگے سوالات جو تہذیب یافتہ اقوام کو تقسیم کر رہے ہیں وہ محض چھچھورا پن۔ حماقت اور ناعاقبت اندیشی کے ہیں۔ ایک صوبہ کے حصول کی خاطر خون کی ندیاں بہا دینا بچوں کا سا کام ہے۔ ہمارے خوفناک سے خوفناک دشمن عناصر جرم۔ کیڑے اور درندے ہم کو تباہ کرنے کی خاطر لگاتار ہر لمحہ اور ہر گھڑی حملے کرتے ہیں۔ اس کے باوجود ہم ایک دوسرے کو خود قتل کرتے ہیں۔ گویا کہ ہماری عقل کا خاتمہ ہو گیا ہے۔ ہر گھڑی غضبناک موت ہماری تاک میں ہے۔ پھر بھی ہمیں کسی بات کا خوف و حراص نہیں۔ بس فقط زمین کے چند ٹکڑوں کو چھیننے کا فکر دامنگیر ہے۔ حدود بندی کے رد و بدل میں ہر سال تقریباً پانچ ارب دنوں کا کام ضائع جاتا ہے۔ ذرا خیال تو کرو کہ اگر اس قدر بے انداز محنت ہمارے اصلی دشمنوں۔ مخالف عناصر۔ زہریلے کیڑوں کے ساتھ مقابلہ میں صرف ہو تو کس قدر فائدہ عظیم ہو۔ ہمیں ان کو چند سالوں میں مغلوب کر لینا چاہئے سب تختہ عالم ایک شاداب فصل میں مبدل ہو جائیگا ہر ایک پتہ اور تنکا ہمارے فائدے کے لئے پیدا ہوگا۔ وحشی جانور غائب ہو جائینگے۔ بیشمار چھوٹے چھوٹے ضرر رساں کیڑے صفائی اور قانون صحت کے موثر طریقے سے کم سے کم نقصان دہ ہو جائینگے۔ ہمارے آرام و آسائش کے مطابق زمین کا استعمال ہوگا غرضیکہ

اُس دن جبکہ انسان اپنے نہایت ہی سخت اور حقیقی دشمنوں کو پہچان لیگا تو وہ (سب انسان) ان کے مخالف آپس میں اتحاد کرینگے اور حماقت سے وحشی درندوں کی طرح ایک دوسرے کو قتل کرنا چھوڑ دینگے تب ہم عالم وسیع کے اصلی حکمران ہونگے اور اس مخلوقات کے مالک ہونگے +

گذشتہ میں انسان انسان کا شکار کرتا تھا اور موجودہ وقتوں میں ایک صوبہ دوسرے صوبے کو لوٹ لیتا اور باشندوں کو ہلاک کر دیتا ہے اور انسان زیادہ تر انسان کا غلام ہے۔ اب ہم کو اس جگہ جہانتک بھی ممکن ہو اقبالمندی کے عروج پر پہنچنے کے لئے انسان کو انسان کا مددگار بنانا چاہئے +

تمام ۱۹۱۴ء

۲۴ نومبر

التماس

انگریزی دنیا میں ایک تہلکہ مچادینے والی نارمن اینجل کی شخصیت حال میں نمودار ہوئی ہے۔ جس نے جنگ کی اصلیت ماہیت کو آشکارا کر کے اس کے اندر باہر کو ظاہر کر کے جنگ کے سڈول جسم کو ایک استخوان و پنجر کا درجہ دیا۔ روس کا مشہور مصنف ٹولسٹائی کو ٹھیک ان ہی نتائج پر پہنچا۔ مگر ان دونو شخصوں کا طریق بالکل جدا جدا ہے پر نتائج بالکل ایک ہیں پر لطف یہ ہے کہ ایک نے دوسرے کے خیالات سے مدد نہیں لی۔ بلکہ علیحدہ علیحدہ غور و فکر کیا ہے۔ آج ہم ان صفحات میں ٹولسٹائی کے خیالات کو ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

دھرم دیو
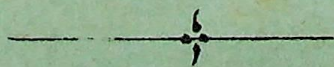
مصارف جنگ کا استعمال

جنگ پر جس قدر روپیہ خرچ ہوتا ہے وہ سب کا سب مجھکو دیدو۔ اس سے میں تختۂ زمین کی انچ انچ زمین خریدوں گا۔ میں مردوں، عورتوں اور بچوں کو ایک ایسی پوشاک زیب تن کراؤں گا۔ جس کا شہزادوں کو گھمنڈ رہتا ہے۔ میں ہر ایک پہاڑی ہر ایک وادی غرضیکہ آباد دنیا کے تختہ پر جگہ جگہ مدرسے تعمیر کراؤں گا۔ ان سکولوں میں استاد کامل رکھوں گا۔ گاؤں گاؤں میں بیت العلوم بناؤں گا۔ ان کو استاد زمانہ سے منسلک کروں گا چٹان چٹان پر مندر بناؤں گا جو امن وچین کے واعظ کو ہر جگہ سو پھیلاویں گے۔ جس کی دیوی کو ایک باافتدار استاد کامل کے سپرد کروں گا۔ تاکہ آیت وار کے دن زمین کی چوڑی چھاتی کی ایک طرف سے سریلی جھنکار دوسری طرف صاف صاف سنائی دے۔ عبادت کی آواز اور حمد و ثنا کا گیت عالم کل کے ہوم کی مانند آسمان کو اونچے ہی اونچے جائے گا۔

Stebbins

عطا کرتی اور مشقت وبرداشت کی قوت کو زیادہ کرتی ہیں۔ غرض وہ فرد بشر کو جسمانی طور سے مکمل ہونے کی طرف مائل کرتی ہیں۔ اب ہمارے وقتوں میں ایک نادر الظہور نظر آتا ہے۔ ورزش کا رواج سپاہی گری کے تناسب کے خلاف کہا جاسکتا ہے۔ انگلینڈ میں ایک وسیع پیمانہ پر کھیلیں کھیلی جاتی ہیں۔ آکسفورڈ اور کیمبرج کے درمیان کشتی کے مقابلے نے ایک قومی واقع کی صورت اختیار کرلی ہے۔ یورپی براعظم کے مغربی ملکوں میں ایسا کم اور روس میں شاید بالکل ہی نظر نہیں آتا جب ایک وحشی فوجی اُستاد جسمانی قواعد کی چکی کو ایک نوجوان کے گلے میں باندھ دیتا ہے وہ ایک ایسی سخت نفرت پیدا کرتی ہے جو تادم زیست دور ہونے میں ہی نہیں آتی ٭

پس ہم دیکھتے ہیں کہ جسمانی لحاظ سے جنگ نے انسانی فرقوں کی ترقی میں کبھی مدد نہیں دی۔ بلکہ اس نے ہمیشہ اُلٹا ہی اثر پیدا کیا۔ اس کے باوجود اگر کسی قسم کی ترقی کا ظہور رہا بھی ہے تو شکرگزاری کی مطلق ضرورت نہیں وہ جنگ کے علاوہ کئی اسباب سے پیدا ہوئی ہے۔ ترقی کے موٹے موٹے جزو محبت اور موت ہیں ٭

خوبصورت عورت مرد کے اندر جذبہ معاشرت کی بھڑک زیادہ اغلب ہے بجائے کہ بدشکل اور بھدی صورت رکھنے والوں کے اندر۔ اس سے عمدہ اور اعلےٰ چناؤ ہوسکتا ہے۔ مصیبت کو زیادہ کرنے کے لئے چھوٹے انسان انجمن کی ایک پہلی جماعت میں دھکیلے جاتے ہیں۔ اُن کو نہایت ہی سخت۔ نہایت ہی خطرناک اور سب سے کم پیدا کرنے والے معاش کا کام سپرد کیا جاتا ہے۔ ان کو امن وچین نصیب نہیں ہوتا۔ لہذا اُن کے اندر اموات کی تعداد بمقابلہ امیروں کے بہت زیادہ ہوتی ہے۔ یہ دونو جزو بے روک ٹوک جسمانی لحاظ سے ناتوان انسانوں کی صفائی میں مستغرق رہتے ہیں ٭

جنگ زر کے پہلو سے

جنگ کی زیادہ تعداد اس حرص سے پیدا ہوتی ہے کہ دوسروں کے مال ومتاع۔ حشمت وثروت پر سکہ جمائے۔ اول اول مال ومتاع کے حصول کی خاطر معرکہ ارائیاں ہوئیں۔ بعد میں حصول زمین کے لئے اور آخیر میں تمام قوم پر جذبہ ٹونک کر آمدنی کی خاطر۔ یہ خیال کہ ہم اپنے ہاتھوں سے کام کرنے کی بجائے اپنے پڑوسی کے زرومال کو چھین کر یکدم مالدار بن سکتے ہیں۔ ہمارے دل کے اندر جاگزین ہوا ہوا ہے۔ یہ خیال موجودہ وقت میں اتنا غالب ہے کہ نہایت مشہور ومعروف سیاست المدن بھی اس کو صحیح تصور کرتے ہیں :

De Molinari صاحب کہتے ہیں کہ "چونکہ انسان طاقت میں یکساں نہیں ہیں لہذا طاقتور شخص کمزور انسان کے کام کی پیداوار کو زبردستی چھین سکتا ہے جس صورت میں کہ محنت و مشقت کم صرف ہوگی بجائے اس صورت کے جس میں کہ انہوں نے خود پیدا کرنے میں صرف کرنی ہو"

مگر ایسا کبھی نہیں ہوتا۔ ہاں ظاہرا تو یہ ایسا ہی معلوم دیتا ہے مگر حقیقت میں کچھ اور ہے۔ ایک چیز کو پیدا کرنے کی بجائے جنگ سے اس کے حصول میں زیادہ خرچ پڑتا ہے۔ علاوہ اس کے اس جھنجھٹ کی مصائب کا کار کام کے الجھن سے بہ آسانی مقابلہ ہوسکتا ہے۔ پیشۂ سپاہ گری کے خطرے ومصیبت ونکان عیاں ہیں کہ یہ سب سے سخت پیشوں میں سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قدیم زمانے کے سب لوگ اس پیشہ کو دہشت کی نگاہ سے دیکھ کپکپا جاتے تھے۔ سپاہی گری سے جو کوئی جتنا جلدی علیحدہ ہوسکا اس نے ایسا ہی کیا۔ آجکل لوگ اکثر اپنے دلوں

کوٹوکتے ہیں کہ وہ کیوں سپاہی بن گئے۔ کیا ہم نے ایسا کوئی انسان دیکھا کہ جو لوہار۔ ترکھان۔ رنگساز اور ایسے ہی دیگر پیشوں کو محض اس لئے نہیں کرتا کیونکہ اس کی اُنگلی کٹ جائیگی۔ یہ اور ایسے ہی دوسرے پیشے تو ہم نتیجہ نکالتے ہیں فن سپاہی گری سے زیادہ آرام دہ ہیں ؎

خصومت کے رفع ہو جانے پر بھی جنگ کے ایذا اکتفا نہیں کرتے۔ فتح کے بعد کا دن روزِ جنگ سے شاید کہیں زیادہ سخت ہے۔ گذشتہ وقتوں میں فتح کا سب سے زیادہ نفع غالباً غلاموں کا حاصل کرنا تھا۔ برباد کرنے والے کی محنت کا آؤ تب شکریہ ادا کریں کیونکہ اب مالک کاہلی اور تزک و شان اور عیش و عشرت کی مکروہ زندگی بسر کر سکتا ہے۔ ظاہرا طور پر اس سے زیادہ پسندیدہ فائدہ اور حاصل بھی کیا ہو سکتا تھا؟ پر حقیقت اس سے عین ہی مختلف تھی۔ اوّل غلاموں کے کام کی مقدار روزانہ اُجرت کے مزدوروں سے ہمیشہ کم رہتی ہے۔ یہ تجربہ ہزارہا بار دھرایا جا چکا ہے اور ثابت ہو چکا ہے کہ وہ ملک جہاں ہنوز غلامی رائج ہے اتنے سرسبز و شاداب نہیں ہوتے جتنے کہ وہ ملک جہاں پر اُجرتی مزدوروں کی رسم ہے۔ ہمیں سکھ و چین زیادہ مقدار میں دولت عامہ سے نصیب ہوتے ہیں یعنی ملک کی عام دولت سے۔ پس اگر دولت عامہ کی بڑھتی کی رفتار دھیمی ہے تو ہم ذاتی طور پر نقصان برداشت کرتے ہیں مگر اس سے بھی کچھ زیادہ۔ ایک غلام کا مالک تمام دن کچھ بھی کر نہیں سکتا اور اس لحاظ سے اس کی زندگی کا مزہ صفر ہے۔ پھر وہ جتنا سخت کام غلام کے سپرد کرتا ہے اتنی سخت نفرت و کدورت بھڑکتی ہے۔ جبر و تعدی ذاتی بدلہ اور بغاوت عامہ کو اُکساتی ہے۔ پلنی کے خطوط سے ہمیں اس بات کا پتہ لگتا ہے کہ بڑے بڑے رومی لارڈ جتنے کہ وہ بھی جو اپنے غلاموں کے ساتھ مہربانہ سلوک روا رکھتے تھے اپنی زندگی کو دائمی خوف و

ہراس میں سمجھتے تھے۔ ہر لمحہ ان کو خدشہ رہتا تھا کہ وہ قتل نہ کئے جائیں۔ بعینہ ایسی حالت روس کی زمانہ غلامی میں تھی۔ اکثر جب رئیس گاؤں میں دورہ کی خاطر گشت کیا کرتے تھے تو وہ عموماً اپنے کسانوں کے خلاف اپنی حفاظت کی خاطر دو چار محافظ لے جاتے تھے۔ یہ صاف مان لینا چاہئے کہ ایسی زندگی میں کہاں کی خوشی اور کدھر کے مزے۔ وسطی زمانے کے جاگیردار بعوض کارِ فوج بھی کچھ ان سے زیادہ خوش قسمت نہ تھے۔ وہ لگاتار لڑائیوں میں مشغول رہے اور اپنے پڑوسیوں کو بغیر حیل وحجت کے کھلے دل سے بے روک ٹوک لوٹتے رہے مگر افسوس! اس مد میں ان کی زندگیاں خوشنما نہ تھیں! اسا ہو کار مجبور تھے کہ وہ اپنے آپ کو سخت قلعوں میں بند رکھیں جو ہماری نگاہ میں قید خانہ اصل ہیں۔ جب کبھی وہ مٹر گشتی کو جاتے تو ایک مسلح سپاہی ہر دم ساتھ رہتا۔ حملہ اور موت کی دھمکی متواتر ان کے گوش میں گونجتی تھی ذاتی طور پر ہم قبول کرتے ہیں کہ اس قسم کی زندگی میں بہت تھوڑے ہی مزے ہونگے آجکل ایسے ہی حالات میں کوئی شخص زندگی بسر کرنا ایک زحمت گراں تصور کریگا۔ خیال کرو یہ کیسا ڈراونا خواب ہوگا جبکہ ایک شخص اپنے ہی گھر کی دہلیز کو پار کرنے میں ہچکچاتا ہوگا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ موت اپنا خوفناک منہ دکھائے ؛

دولت سوائے ذرائع کے کچھ نہیں ہے۔ عیش وعشرت مقصد ہے۔ تا جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ اگر لڑائی کی بدولت بھی دوسروں کی دولت کو قبضہ میں لاسکیں جس میں محنت ومزدوری بہت ہی کم صرف ہو تو ہم اس طریق سے عیش وآرام کے معمولی حصہ پر قابض ہوسکتے ہیں لیکن کیا یہ قیاس کہ ہم تھوڑی سی محنت کے عوضانہ میں مال ودولت چھین سکتے جرح پر ٹھیر سکیگا؟

ہر ایک کارِ عظیم کا خرچ پہلے تصور کر لیا جاتا ہے۔ پھر سرمایہ۔ اگر ایک فیکٹری میں چار ہزار روپیہ خرچ کیا جاتا ہے اس کا یہ مطلب ہے کہ عرصہ پہلے انسان نے کافی گھنٹوں کی تعداد میں کام کیا اس نقدی کو فراہم کرنے کا کام جو انہوں نے بچایا۔ درپھر اس کو نئے کاروبار میں صرف کیا۔ اگر ایک فیکٹری میں چار ہزار روپیہ کے بدلے دو ہزار روپیہ درکار ہیں تو چھوٹی رقم پہلے گھنٹوں کی آدھی تعداد کے کام کو سامنے رکھتی ہے ÷

اب یہ آسانی سے ثابت کیا جا سکتا ہے کہ جنگی کاروبار میں دوسرے کام کاج کی نسبت بہت ہی زیادہ سرمایہ صرف ہوتا ہے۔ انسانوں کے دل میں جتنا ہی یہ مضبوطی سے جاگزین ہوا کہ وہ جنگ کے طفیل کم سے کم محنت و مشقت کے صرف سے مالا مال ہو سکتے ہیں اتنے ہی وہ زیادہ اس جزو کی طرف مائل ہوئے۔ الغرض اس کو ہر طرح سے پختہ کیا۔ اس کی خاطر نہایت مکمل ساز و سامان مہیا کئے۔ مختصراً زیادہ سے زیادہ سرمایہ اس مد میں تلف کیا۔ یہی صورت ہے جو وقوع میں آتی ہے۔ ۱۸۶۹ء میں Laraque نے ۔۔۔ ۔۔۔ ۱۹۵ فرینک یعنی ۔۔۔،۔۔۔،۷۸۰ پونڈ کا اندازہ کیا ہے جو کہ صرف اکیلے یورپ میں سامان جنگ پر خرچ ہوا۔ یہ سچائی بلا شک و شبہ مبالغہ آمیز نہیں ہے کہ ۱۸۶۹ء سے کم از کم جنگی اخراجات اس سے تین گنے ہو گئے ہیں۔ مگر ہم صرف دو گنے ہی مان کر صبر و تسلی کر لیں جس صورت میں ۔۔۔،۔۔۔،۱۶۰۰ پونڈ کی رقم ہوگی۔ مگر یہ تو کچھ بھی نہیں ہے۔ موجودہ وقت میں یورپی افواج میں ۔۔۔،۶۰۰،۲۱۲ پونڈ صرف پرورش میں صرف ہوتے ہیں روپیہ کہیں نہ کہیں سے ضرور برآمد ہونا چاہئے۔ جو اپنی آخری ترکیب میں سرمایہ کی مدد سے پیدا ہوتا ہے۔ پس یہ ٹھیک ہوگا کہ ہم اسے سود تصور

کرلیں۔ اس کو سرمایہ کی صورت میں مبدل کرنے سے ہمیں تخمیناً ۴۴،۰۰۰
پونڈ سود مل سکتا ہے۔ اس طور پر سرمایہ کی کل قیمت جو جنگی معرکہ آرائیوں میں
صرف کی جاتی ہے ۵٬۴۷۰٬۰۰۰ پونڈ کی نوبت تک پہنچتی ہے۔ دنیا میں
صرف ایک ہی کار عظیم اور ہے جس میں اس سے بھی زیادہ رقم صرف ہوتی
ہے یعنی ریل پس جنگ "کم سے کم محنت و مشقت کے صرف سے" ہمیں
مالامال ہرگز نہیں کر سکتی۔ کیونکہ جنگ میں استعمال شدہ سرمایہ قریباً باقی
تمام کاروبار میں صرف کئے ہوئے سرمایہ سے کہیں زیادہ ہے +

یہ ہمیشہ ہی ایسا ہوا ہے۔ جنگی ساز و سامان کو کم کر دینے سے حفاظت
کی مقدار بڑھ جاتی ہے۔ اب اس بات کی چنداں ضرورت نہیں ہے کہ
کہ Toulon کو پیرس کے مقابلہ میں بچاؤ کرنا چاہئے۔ پس یہ بے فائدہ
ہے کہ ٹولوز کو تو ہم پیرس کے خلاف قلعہ جات سے مضبوط کر دیویں یا
پیرس کو ٹولوز کے مقابلے میں عرصہ بعید میں جنگی ساز و سامان ایک ایسی
شے تھی جس کے بغیر بن نہ پڑتی۔ یقیناً جب اٹلی کے چند درجن خود مختار
صوبوں میں علیحدگی ہوگئی اور لگاتار ایک دوسرے کے مخالف جنگ میں مصروف
رہا۔ جنگی ساز و سامان پر استعمال شدہ سرمایہ آج ان کی دولت عامہ کے
سرمایہ سے بہت زیادہ تھا اگر کل ہی یورپ ملکر ایک مملکت بن جائے
تو جنگی مصارف ایک بڑے بھاری درجہ میں کم ہو جاویں +

غرض جنگ نے کم از کم محنت و مشقت کے صرف سے "کبھی مالا
مال نہیں۔ بلکہ ہمیشہ ہی انسان کے آسائش و آرام کو کم کیا ہے۔ کسی
قیمتی یا ایسی کسی چیز کو محض حاصل کر لینے سے دولت نہیں آجاتی
مگر جس حد تک ہم زمین کی پیداوار اور قدرتی عناصر کو زیادہ سے زیادہ
استعمال میں لا سکتے ہیں اتنے ہی ہم مالدار ہیں۔ ۱۶۴۰ء سے صرف
یورپی اقوام کا مصارف جنگ ۱۶٬۰۰۰٬۰۰۰٬۰۰۰ پونڈ ہوا ہے۔ ہم مبالغہ سے

نہیں کہتے کہ تمام تاریخی وقتوں کی جنگوں میں کم سے کم اس سے دس گنا
سرمایہ صرف ہوا ہوگا۔ تو چھوٹے سے چھوٹے تخمینے کے مطابق جنگ پر
۶۰,۰۰۰,۰۰۰,۰۰۰ پونڈ صرف ہوا ہے۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ اس کا مطلب
یہ ہے کہ کام کرنے والے دنوں کی خاص تعداد جس کی قیمت نقدی کی
صورت میں اس رقم کے برابر ہے۔ انسانوں نے ایک دوسرے کو قتل
کرنے میں صرف کردی۔ فرض کرلو کہ اتنی ہی مشقت فصل کو فیضیاب
کھیتوں کو شاداب۔ کپڑے بُننے۔ گھر بنانے۔ راستے نکالنے۔ بندرگاہ
کی قطاریں بنانے اور ایسے دیگر کار مفید میں صرف کی جاتی تو کیا یہ بخوبی
عیاں نہیں ہے کہ دنیا کی صورت جو کچھ بھی آج ہے وہ بالکل ہی مختلف
مگر عمدہ نہ ہوتی۔ ناخوش انسانوں کے دکھ درد اور رنج و آلام ایک بڑی مقدار
میں کم نہ ہوتے؟

خوش قسمتی سے ایک خیال نے پہلے ہی فتح پائی تھی۔ آجکل کوئی
بشر یہ تصور نہیں کرتا کہ جنگ سُودمند ہے اس سے پہلے یہ رائے۔ کہ
جنگ فاتح کو دنیاوی فائدے بہم پہنچاتی ہے۔ عالم بھر میں تصور کیجاتی
تھی۔ مگر دو صدیوں سے سیاست المدن کے ماہر اس بات کو ثابت کرنے
کے لئے کہ یہ خیال سخت غلطی پر مبنی ہے۔ کوشش کرتے رہے۔ اُنہوں
نے اپنے مقصد کے حصول میں فتح پائی یہانتک کہ مسٹر دی مول نری
کا اقرار۔ جو کہ اس باب کے شروع میں درج کیا گیا ہے وہ ماضی سے نہیں
بلکہ حال سے تعلق رکھتا ہے۔ بلجیم کے سیاست المدن کے ماہر مُغالطے میں
پڑے ہوئے ہیں۔ جنگ کسی صورت میں سُودمند نہیں ہے خواہ قیصر یا کسی
کا زمانہ ہو خواہ ہمارے شہنشاہ کا وقت۔ اگرچہ اُس نے ماضی کی رائے
قائم کرنے میں غلطی کھائی۔ نہایت شاندار فتوحات کے باوجود بھی کسی نے
یہ عیاں نہیں کیا کہ جنگ کا تباہ کن دائرہ کتنا وسیع ہے۔ اس سچائی سے

کوئی انکاری نہیں اور مسٹر ولبرٹ بھی متفق ہے جو جنگی حس سے پیدا شدہ حادثات کو گننے میں حظ محسوس کرتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ چونکہ جنگی فریق نے اس جگہ شکست کھائی وہ دوسری جگہ قسمت آزمائی کرے۔ اخلاقی رُو سے وہ اس طور پر گر جاتے ہیں۔ ہم یہ جاننے کے مشتاق ہیں کہ جنگ بُوچڑی اور اخلاق میں کیا کیا فرق ہیں۔ مگر ان سب میں کوئی چیز مساوی ضرور ہے مسٹر ولبرٹ نہایت یقین کے ساتھ اس امر کی یوں تصدیق کرتے ہیں کہ

"معلم الاخلاق یہ سب کچھ (مال و متاع کے نقصان) ماننے کو تیار ہے تاہم انسانوں کے لئے اُس کی کتنی بڑی عزت ہو اس کے فیصلے کو وہ اپنے ہی تک رکھتا ہے۔ اس کو یہ سوال پیچیدہ معلوم دیتا ہے۔ کیا یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مرض متعدی نے بھی کبھی فیض رسان نتائج پیدا کئے ہیں۔ اگر یہ معلم الاخلاق کے ہاتھوں میں ہوتا کہ وہ جنگ کو روک دیں تو وہ شاید جھجکتے۔"

وہ شاید ششش و پنج میں رہتے! آپ وہاں دیکھئے سفید پر کالا!

جنگ کا ملکوں پر اثر

جنگ کے تصوّر کردہ فوائد میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس نے بڑی بڑی قوموں کی بنیاد رکھی ہے جو انگلینڈ جرمنی و فرانس میں مقیم ہیں اور شاندار تہذیب کے چمکتے مرکز ہیں +

درمیانی زمانہ میں کہا جاتا تھا کہ پر ماتما فرینکس کے بیچ بچاؤ سے اس دنیا پر حکومت کرتا ہے۔ اب ہم یقین صادق رکھتے ہیں کہ موجودہ یورپی سائنس کے سوا منر و تمدن نے ہرگز ایسی شاندار اور وسیع پیمانہ پر ترقی نہ کی ہوتی۔ فرض کر لو کہ گذشتہ زمانہ میں سب جنگوں کو دبا دیا گیا ہوتا تو یہ دُنیا ہوتی کیا؟ سوائے چھوٹے چھوٹے صوبوں کے مٹی کے ڈھیر کے کچھ نہ ہوتی جن میں نہ

اتصال ہے نہ طاقت ہے نہ لچک ہے نہ خیالات کی وسعت ہے نہ مقصد کی ایک لڑی ہے۔ یہ ایسا بیڈول بے ڈھنگا پن (درہم برہم) ہوگا جس کے اندر پرانی وحشت اپنی تمام ادنےٰ فطرتوں اور مکروح جرموں کے ساتھ بھری ہوئی ہے +

یہ ایک ایسی غلطی ہے جس کے برابر اور کوئی ہیبتناک غلطی نہیں ہو سکتی اور یہ منطق سے کُلی طور پر خالی ہونے کی شاہد ہے کیونکہ اس کو ایک دن سے زائد بھی تصوّر کرنے سے آدمی بے حس ہو جاتا ہے

اوّل بات یہ ہے کہ قومی اتفاق کے کیا معنے ہیں؟ اس نسے یہ مطلب ہے کہ ۳۸،۰۰۰،۰۰۰ انسانوں نے ۳۶،۰۰۰ مربع کلومیٹر خطۂ زمین پر بسر ہوتے ہوئے میدانِ جنگ میں ایک دوسرے کو وحشیانہ طرز سے قتل کرنے کے علاوہ اپنے تنازعات کے تصفیہ کا ایک راستہ ڈھونڈھ نکالا ہے۔ آجکل پیرس۔ لی آنز۔ مارسیلز۔ بورڈیو۔ سیبل اور ٹولوزا ایک دوسرے کے خلاف جنگ بپا نہیں کرتے۔ اگر وہ ایسا کل کرنے پر آمادہ ہو جائیں تو فرانس کا یکدم ملیامیٹ ہو جائے۔ ۱۸۶۱ء میں حد جینیا۔ کنٹکی۔ اوہیو۔ اور ماس چیوٹ امن وامان سے رہے۔ جب جنوب والوں نے علم بغاوت بلند کیا اور خصومت آغاز کی تو امریکن یونین ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ اس کی از سر نو بنیاد قائم کی گئی اور اس کی ہستی ابھی تک اسی لئے برقرار رہی ہے کیونکہ ایٹلانٹک سے پیسفک تک ۴۶ صوبوں نے باہمی تفرقات کو مٹانے کے لئے جنگ میں قتل کو نہیں بلکہ واشنگٹن کی سپریم کورٹ کو تسلیم کیا ہے +

غرضیکہ قومی اتفاق کی اُس دن بنیاد مستحکم ہوتی ہے جس دن جنگ کا خاتمہ ہوتا ہے +

بہت اچھا آپ کہتے ہیں۔ ایک بار قائم شدہ اتفاق کے معنے امن و چین کے ہیں۔ مگر کیا اس کو قائم کرنے والی جنگ نہ تھی؟ کبھی نہیں! جنگ

نے اتفاق میں ہمیشہ روڑا اٹکایا اور اس کو خدشہ میں ڈالا اور ہمیشہ اس
کی مانع رہی ÷

"چودھویں صدی میں جرمنی میں پانچ سو سے چھ سو تک خود مختار
صوبے تھے۔ جو ہمیشہ ایک دوسرے سے لڑتے بھڑتے رہتے تھے۔ اس
طرح جرمنی کا اتفاق کُلّی طور پر معدوم رہا۔ اس کو زندہ کرنے کے لئے یہ ضروری
تھا کہ تلوار کی طاقت سے ان چھوٹے چھوٹے تاج برداروں کو ایک مناسب
اصلوب کی لڑی میں پرو دیا جاتا۔ تاکہ وہ امن وچین سے زندگی بسر کریں"۔
مگر اس بات پر کوئی دھیان نہیں دیتا کہ ان چھوٹے چھوٹے راجاؤں کو محض
جنگ برپا کرنے کا حق مقصود نہ تھا۔ یہ وجہ تھی کہ اتنے لمبے عرصے میں
بھی جرمنی اتحاد و اتفاق کے ہار کو دستیاب نہ کر سکا نہ زیب تن کر سکا۔
اگر دسویں صدی کے بعد بھی جرمن نسل کے مختلف فرقوں نے ایک عام
کارگر تدوین کے قائم کرنے میں دست اندازی نہ کی ہوتی۔ تو جرمنی کا اتحاد
ہنری دی فولر کے زمانے سے شروع ہو کر آج تک برقرار رہتا۔ پس یہ جنگ
نہیں ہے جس نے جرمن کے اتحاد کو پیدا کیا برخلاف اس کے یہ جنگ
ہے جس نے شیر و شکر ہونے میں نو سو سال تک مزاحمت کی ÷

دوسرے فرقوں کے بارے میں بھی یہی بات صحیح ہے۔

مسٹر [illegible] لکھتے ہیں:- "درمیانی زمانہ میں کسی کے پاس
اتنا تھوڑا جنگی ساز و سامان نہ تھا جتنا کہ انگلینڈ کے پاس" ÷

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سب سے اول اسی کا اتحاد ہوا۔ جبکہ جرمنی کے
اتحاد کی رفتار سب سے دھیمی اور سست رہی۔ کیونکہ ۱۸۶۰ء کے دور
کے عرصہ تک بھی۔ ہنیوور بویریا اور سیکسنی نے اپنے ہمسایہ صوبوں کے ساتھ
جب کبھی اس کو فائدہ نظر آیا جنگ کی ٹھان لی تاکہ وہ آزادی حاصل کرے ÷
اس سوال کا بھی ایک دوسرا رُخ ہے۔ شمالی فرانس کے باشندوں

نے زبردستی سے اس قوم کے ملک پر قبضہ جمالیا جو زبان دو یک بولتے تھے آخر اُنہوں نے اُن کو اپنے میں شامل کرلیا۔ جنوبی مختلف زبانیں چھوٹے لوگوں کی بازاری بول چال میں گر گئیں۔ اور ڈیول زبان موجودہ فرنچ بن گئی اور اس کا مرتبہ علمی زبان تک بڑھایا گیا +

پس فرانسیسی اتحاد دو جزو سے ملحق تھا۔ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ جنوبی جزو کو پیپا کئے بغیر یہ ایسا نہیں ہوسکتا تھا اور اس وجہ سے فرانسیسی اتحاد کی ہستی کا دار و مدار جنگ پر ہے +

اس نقطے کا فیصلہ کرنے کے لئے ہمیں مجبوراً تھوڑا سا نفس مضمون کے باہر جانا پڑتا ہے۔ آؤ پہلے ہم فرض کرلیں کہ لنگویڈوکین کی قومیت تباہی سے بچ رہی مگر نقصان کئی جگہ پر ضرور ہوا +

یورپی تہذیب کے امن وامان کا خاص ذریعہ اس بات سے نہیں ہے کہ انگریزی ۱۱۰،۰۰۰،۰۰۰۔ روسی ۸۰،۰۰۰،۰۰۰ جرمن ۶۰،۰۰۰،۰۰۰ اور فرانسیسی ۴۵،۰۰۰،۰۰۰ اشخاص سے بولی جاتی ہے۔ یورپی تہذیب کی چمک دمک پر ضر یا فیض رساں اثر ڈالے بغیر ان زبانوں میں نسبت مختلف ہوسکتی ہے تہذیب عام مروج زبانوں کے بولنے والوں کی تعداد سے نہیں بن جایا کرتی بلکہ عام سائینس کے ذخیرہ سے لوگوں کے ہُنر و دستکاری کے خزانہ کے جمع کرنے سے اب یورپ موٹے طور پر اٹھارہ سلطنتوں میں تقسیم ہوا ہوا ہے۔ اگر یہ پندرہ یا پچیس کے درمیان بھی تقسیم ہوا ہوا ہوتا تو تہذیب پر نہ کسی قسم کا اثر اور نہ کوئی صدمہ پہنچتا۔ پس اگر ہم پانچ بڑی لاطینی قوموں کے ساتھ ایگوبیڈین کی چھٹی بھی زائد کردیں تو ہماری امارت۔ ثروت۔ بہبودی و دماغی ترقی کو ذرا بھی کسی طور پر صدمہ ہرگز نہ پہنچیگا +

مگر فرانسیسی ابھی تک اس مغالطہ میں پھنسے ہوئے ہیں کہ ملکی حدود کے ساتھ ساتھ زبانوں کی حدبندی ہوجاتی ہے۔ خاندان Hapsburg نے

آسٹریا کی حکومت کھڑی کی جب اُنہوں نے سولھویں صدی کے آغاز میں ہنگری اور بوہیمیا کو حاصل کیا اس کے باوجود بھی نہ ہنگری نہ ہی بوہیمیا میں جرمن اس طور پر بولی جاتی ہے جس طور پر وسیع پیمانہ میں فرانسیسی کا استعمال ہوتا ہے۔ قومی اطاق خاص جزو کے زیر اثر ہوا کرتا ہے۔ یہ ایک دماغی ظہور ہے جس کے خاص اپنے قانون ہیں۔ مگر یہاں پر ان کا درج کرنا مقصود نہیں۔ پس اتنا کافی ہے کہ زبان۔ تربیت اور تہذیب عملداری کی فتوحات کے ساتھ ساتھ بڑھتی جاتی ہیں۔ ۱۲۷۵ء میں مارٹن کنال نے فرانسیسی میں وینس کی تواریخ کو قلمبند کیا کیونکہ اس نے کہا کہ:۔

(Cest mult delect ableaulire at-a oir) "زبان پڑھنے اور سننے میں بڑی مزیدار ہوتی ہے"

مگر تھوڑے عرصے کے بعد تمام شمالی اٹلی نے وہی کچھ کیا ہوتا جو کچھ کنال نے کیا تھا پر ڈانٹے کے ادراک پیٹرک آرچ اور بوکیشو کے قبل از وقت بصیرت نے زبان اطالیوی کو اوج پر پہنچایا۔ ٹسکنی اپنی مروجہ حدود سے بھی آگے نہیں بڑھا پھر اس کی زبان اپنی نائین جزیرہ نما کی علمی زبان بن گئی ہے۔ اسی طرح پر سیکسنی نے کبھی جرمن کو فتح نہیں کیا۔ مگر پھر بھی اس کی زبان اس بڑے ملک کی تمدنی زبان بن گئی۔ برخلاف اس کے ترک پندرھویں صدی سے بلکان جزیرہ نما پر برابر لگاتار حکومت کرتے چلے آئے ہیں مگر سروین اور بلگیرین کے دلوں پر اپنی زبان کا تسلط نہ جما سکے۔ پس اس بات کو کوئی چیز ثابت نہیں کرتی کہ اگر جنوبی فرانس فتح نہ کیا جاتا تو مارسیلز اور ٹولوز کی فرانسیسی مادری زبان نہ بنتی ایسے ہی برسیلز اور جنیوا اُن شہروں میں سے ہیں جو کہ سلطنت Capets کا کبھی حصہ نہیں۔ بنے ؛

وحشیانہ فتح وسعتِ زبان کے نتیجہ کو ہمیشہ فراہم نہیں کرتی۔ اور اس نقطۂ خیال سے جنگ بھی بے فائدہ ہے۔ میدانِ جنگ پر کُشت وخون کے ندی نالوں کے بہا دینے کی وجہ سے انگلینڈ۔ جرمنی۔ فرانس اور اٹلی اپنی اپنی شاندار تواریخی ہستیوں کو نہیں رکھتے بلکہ ہر قسم کی لیاقت اور ادراک کے کہکشان کے طفیل جو کہ ڈانٹے۔ شیکسپیر۔ ڈسکارٹیز۔ گوئیٹھے اور باقی ایسے ہی اشخاص کی بدولت درخشاں ہوا۔

اس طرح جنگ نے نہ صرف بڑے بڑے قومی اتحادوں کو پیدا کیا بلکہ اس کے برخلاف اس نے ملکی اجتماع کو بھی کئی صدیوں تک روکے رکھا ہے۔

ہم وحشی طاقت کے رسمی مختاروں کی نظر ایک ضروری نقطہ کی طرف مبذول کراتے ہیں۔ جنگ کا قلع قمع کر دو۔ کُلّی طور پر انسانی نسل میں اتحاد فوراً موجود ہو گا۔ عالم کُل کا اتحاد محض اس لئے نہیں ہوتا کیونکہ جرمنی۔ فرانس۔ روس اور دیگر طاقتوں کو بے روک آزادی ہے کہ وہ جب کبھی اپنے اپنے فوائد کی خاطر چاہیں اعلان جنگ کر سکتے ہیں جرمن قوم کے اندر سیکسنی۔ باویریا۔ اور ہنوور تھوڑا عرصہ پہلے اپنے لئے ایسی ہی تمنّا رکھتے تھے۔ فرمانروا سلطنتیں حرص سے برطرف ہوں۔ اپنے تفرقات کے فیصلے کے لئے طریق جنگ کے علاوہ وہ کسی اور وسیلہ کو ڈھونڈھ نکالیں مختصراً وہ جنگ کو بند کر دیں تو بس انسانوں کا اتحاد قائم ہو گیا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ جنگ کئی صدیوں سے بڑے قومی اتحادوں کی ساخت میں مانع ہوئی ہے۔ غرضیکہ ملکی پہلو کے حساب سے اور باقی نقطوں کی نظر سے یہ بدی کو نہ کہ نیکی کو پیدا کرتی ہے۔

آپ نے پچھلے باب میں یہ غور کیا ہو گا کہ کم سے کم کُل دنیا کے مصارف

جنگ ۱۶۰،۰۰۰،۰۰۰ پونڈ تک ہوگئے۔ یہ رقم غالباً ۴،۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰ دنوں
کے کام کو ظاہر کرتی ہے۔ اس قدر بے انداز سرگرمی نے براعظم کی موجودہ
ملکی سرحدوں کو بنایا یعنی خود مختیارانہ طاقتیں جس میں فرانس کا ۵۳۶،۰۰۰
جرمن کا ۵۴۰،۰۰۰ اور سرویہ کا ۴۸،۰۰۰ مربع کیلومیٹر رقبہ ہے۔ اب یہ تمام
محنت و مشقّت کلی طور پر اس طرح سے رائگان و برباد گئی۔ جیسے
Sisyphares کی لڑھکتی چٹانیں Danaides کی چھلنی کو پُر
کرنے میں ناکامیاب رہیں گویا انتظام ملکی کے سپرد انسانی آسودگی ہے
ہی نہیں۔ یورپ خواہ دس خواہ پچاس طاقتوں میں منقسم ہو نہ تو اُس
کی تہذیب بڑھ جائیگی اور نہ ہی وحشت جاتی رہیگی جو اپنی نوعیت کے
لحاظ سے دنیا کو اپنی ضروریات کے موافق ڈھالنے کے سوا اور کچھ
بھی نہیں ہے۔ انسان اُس دم تک غُربت میں غرق اور انتہائی آلام
میں آلودہ رہیگا۔ جب تک وہ اپنی سرگرم مشقّت کا ایک زاید حصہ کارِ لاحاصل
میں صرف نہ کریگا۔ یہ خیال کہ ہماری راحت سلطنت کے مربع میلوں
کی تعداد سے متناسب ہے بالکل پوچ ہے۔ نہ ہی مروج بین الاقوامی
حفاظت پر راحت کا انحصار ہے۔ یہ عام خیال ہے کہ جتنی بڑی ایک
سلطنت ہو اُتنی زیادہ وہ طاقتور ہوگی اور اُتنے ہی درجہ میں زیادہ حفاظت
بہم پہنچائیگی۔ یہ اُس حالت میں درست ہوگا کہ ہماری اپنی سلطنت
تو بڑھ جائے مگر دوسری ایک ہی حالت میں قائم رہیں۔ مگر اصل معاملہ
ایسا نہیں ہے وہ بھی ترقی پذیر ہوتی ہیں۔ اس طور پر خطرہ کم ہونے کی
بجائے بہت بڑھ جاتا ہے۔ کیونکہ فرانس اور جرمنی جیسی بڑھی ہوئی
طاقتوں کے دوچار ہونے سے دو چھوٹی طاقتوں کے جھگڑے کی نسبت
کہیں زیادہ غیظ و غضب اور قتل و خون برپا ہوگا۔ پس حفاظت مربع
میلوں کے تناسب سے نہیں بڑھا کرتی نہ ہی سرحدوں سے سلطنتوں

کی وسعت پر۔ لا انتہا مشقت صرف کرنے سے جس مد میں کام کے ....،....،.... ۴ دن بالکل رائیگان ہوتے ہیں اور وصول میں مل جاتے ہیں۔ حفاظت کا حصول ہرگز جنگ سے نہ ہوگا بلکہ اُس کا ظہور ہمیشہ جنگ کی روک تھام کرتے رہنے سے ہوگا÷

جنگ کا اثر عقل و دانش پر

"اگر خلائق دوست لوگ جنگ کا قلع قمع کرنے میں کامیاب ہوجائیں تو بھی نہایت اعلیٰ ارادوں کے باوجود بھی انسانوں کی تھوڑی سی خدمت سر انجام کرسکینگے وہ کام کسی طریق سے ہماری قوم کی پاکیزگی کی خاطر نہ ہوگا۔ نہ ختم ہونے والا امن دوبارہ قوموں کو خطرناک آلودگی میں ڈبو دے گا"÷

اس طور پر مسٹر ولبرٹ صاحب کہتے ہیں۔ "یقیناً یہ امن (مَیں امن کی حقیقی حالت کو نہیں کہتا) نصف صدی کے گزرنے سے پہلے ہمیں ایک ایسی بد اعمالی اور تنزلی میں غرقاب کردیگا جو بڑی سے بڑی جنگ سے انسان کے لئے زیادہ تباہ کن ثابت ہوگا"÷

یہ ۱۸۹۶ء "ہمارا مستقبل" نامی مضمون کا اقتساب ہے۔ اس مضمون کا شائع ہونا ایک بڑا مشہور واقع ہے جو ایک جنتری میں شائع ہوا تھا جس کی تمہید میں لکھا تھا کہ یہ اتنی مفید ہے کہ آپ اس کو برطرف نہیں کرسکتے۔ اُنہوں نے اس کو "مجموعہ مخزن العلوم" کی ایک چھوٹی صورت دینی چاہی۔ اس خیال سے یہ ایک بڑی تعداد میں شائع ہوئی جس کے اڈیٹر De Vogue نے کہا کہ وہ خیال کرتا ہے کہ یہ رائے ایک پختہ سچائیوں میں سے ہے اور اس لئے عام لوگوں کے درمیان بڑی سرعت سے نہیں پھیل سکتی۔ صرف جنتری میں شائع ہونے کی وجہ سے ہماری نگاہ میں

اس کی وقعت بڑھ گئی ہے ÷

ہمیں یہ موزوں نہیں ہے کہ محض الفاظ سے تشفی کرلیں۔آؤ ہم واقعات کا مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ وہ اس بات کی آیا کہ جنگ عقل و دانش کو بڑھاتی ہے یا دماغی سودا کو روکتی ہے ÷

انسانوں نے ہمیشہ اپنی حالت سنوارنے کی سعی کی ہے۔انہوں نے کاشتکاری اختیار کی تو اس لئے کہ بھوک اُن کو نہ ستائے فن معماری کی طرف جو راغب ہوئے تو اس لئے کہ سردی کی شدت اُن کو بیکسٹر نہ دے اور کہیں سر نہ کر دے۔مختصراً وہ اپنے ارد گرد کے حالات کو اپنی ضروریات کے مطابق ڈھالنے میں کوشاں رہے۔بعض فرد بشر جب اپنی روزانہ اشیائے خوردنی کے کام سے فرصت پا چکے تو ہنر و فنون سائینس و تمدن کی طرف رجوع ہوئے۔کفائت شعاری کی پیداوار سے عقلی پیداوار یعنی تہذیب کی طرف قدرتی طور پر طبیعت راغب ہوتی ہے۔یہ ترقی بتدریج ایک خاصی حد تک حفاظت کو پہلے سے ہی تصوّر کر لیتی ہے۔کیونکہ اگر انسان ہمیشہ ہی اپنے پڑوسیوں کو لوٹتا اور غارت کرتا رہتا تو امارت جمع نہ ہو سکتی اور دماغی ضروریات کی پیدائش محسوس ہی نہ ہوئی۔آؤ ہم بعض بعض عارضی حالات کا شکریہ ادا کریں۔جس کی بدولت بعض ممالک میں ایک خاصے عرصے تک امن و چین اور حفاظت رہی ہے جس تہذیب کو پھیلنے اور بعض جگہ پر چمکدار بننے کا موقع مل گیا۔مگر سب اقوام ایک رفتار سے کبھی ترقی نہیں کرتیں۔جبکہ بعض نے صنعتی فنوں اور تمدن و سائنس اور ہنر میں ترقی نمایاں کی اور بعض جہالت کی حالت اور وحشت میں مستغرق ہیں۔آخر الذکر نے تہذیب یافتہ لوگوں کے آسائش و آرام کے پُر لطف نظاروں کو حاسدانہ نگاہ سے دیکھا اور بسا اوقات اُن پر

حملہ آور ہوئے اور بڑی بے دردی سے قتل کیا۔ ایسا دونو نصف کروں میں بارہا ظہور میں آیا امریکہ کے ان طبقات میں جہاں کہ اب صرف وحشی ہندوستانی بود و باش رکھتے ہیں یادگاری میناروں کے کھنڈرات ملتے ہیں جو اسبات کو عیاں کرتے ہیں کہ زمانہ قدیم میں کبھی ان حصّوں میں تہذیب یافتہ لوگ اپنی زندگیاں بسر کرتے تھے[ا] +

اگر کوئی جنگ برپا نہ ہوتا تو یہ صاف ہے ایسے واقعات ہرگز ظہور میں نہ آتے۔ یہ کس طرح سے ہوسکتا تھا کہ تعلیم یافتہ اور تربیت یافتہ اشخاص کا زیادہ وحشی اور جاہل لوگوں کے ہاتھوں سے میعادی اور موسمی قتل عام برپا ہونے سے انسانی دل و دماغ کی ترقی تاباں ہوسکتی۔ کیا وجہ ہے کہ ایک مجہول رومی سپاہی کے ہاتھوں سے ارکمیدس کے پران پکھیرو اڑنے کے بعد کے زمانے میں بمقابلہ پیشتر کے روشنی زیادہ نہ تھی۔ قتل عام کے طرفداروں سے میں اس سوال کا جواب طلب کرتا ہوں۔ حق یہ ہے کہ انسانی تمدن و تہذیب نے جنگ کی ہستی سے نہیں اسکی عدم ہستی سے ترقی کی +

جنگ کو چھوٹے سے چھوٹے پیمانے میں تقسیم کردو۔

رام اور شام کا آپس میں جھگڑا ہے۔ رام شام کو قائل کرنے میں کامیاب نہیں ہوتا۔ رام کا غصہ بھڑک اُٹھتا ہے۔ شام پر حملہ آور ہوتا ہے اور

[ا] شری رام اور سیتا جی کی اُن کے اصلی ناموں سے امریکہ میں پرستش ہوتی ہے اور وہاں ہر سال ایک قسم کا میلہ ہوتا ہے جو کہ دسہرہ سے بہت ملتا جلتا ہے (The Theosophist-1886) سر ولیم جونز کہتے ہیں "شری رامچندر کو سورج کی اولاد اور سیتا جی کا خاوند اور کوشلیا رانی کا فرزند بیان کیا جاتا ہے۔ پیرو کے باشندے جنکو انکا کی اولاد ہونیکا فخر ہے۔ اپنے تیوہار کو رام سیتو کے نام سے نامزد کرتے ہیں۔ جس سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ جنوبی امریکہ میں ایشیا کے دور دراز کے باشندے آکر آباد ہوئے کیونکہ یہاں کے رسم و رواج اور رام سیتا کے فسانے وہاں مشہور ہیں +

(Asiatic Reseaches. Vol. I. p426)

اُس کو مار ڈالتا ہے۔ جہالت اور وحشی پن کے زیر اثر آکر ایک شخص لازمی طور پر قتل کا وطیرہ اختیار کرتا ہے۔ یہ ایک صداقت ہے اور تمام جنگوں کے بارے میں یہ صداقت برابر قائم رہیگی۔ وحشی تہذیب یافتہ لوگوں کی زندگیوں کو تک دیکھتے ہیں۔ ان سرسبز فوائد کی اُمنگ اُن کی بغلوں کو بجاتی ہے۔ اُن کے لئے دانشمندانہ دستور العمل تو یہ ہے کہ زر کمائیں اور تربیت حاصل کریں۔ وحشیانہ طریق یہ ہے کہ غیظ و غضب کے ساتھ غارت گری یعنی جنگ کو روا رکھیں۔ اور جائز قرار دیں۔ اس لمحہ جبکہ جنگ کا نقشہ بندھ جاتا ہے۔ دو نو گروہوں میں سے اعلائے تہذیب کی خاطر کام کرنے کی بجائے اُس مقصد کی پیروی کرنے والا صرف ایک گروہ رہ جاتا ہے سو خصومت کے آغاز کے لمحہ کے ساتھ ساتھ انسانی عقل کی مقدار کم ہونی شروع ہو جاتی ہے ÷

جنگ نے ہمیشہ بدترین چناؤ پیدا کیا ہے نہ کہ بہترین۔ اس کی توجہ اُن گروہوں کو غارت کرنے میں مبذول رہی جو خاص کر دماغی حصول میں غرق تھے۔ شمالی تند آندھی کی مانند اس نے باغِ خلقت کے نہایت نازک اور مٹھاس بھرے خوشبو دینے والے کھلتے پھولوں کو اپنے بہاؤ میں اُڑا دیا ہے۔ ایتھنز اور فلارنس جیسے شاندار اور درخشاں مرکز ایک کمینے اور وحشی سپاہی گری کے صدموں سے برباد اور خاک ہو گئے ہیں۔ یہ ہمارے پاس ایک مثال ہے کہ جنگ کس طرح انسانی عقل و دانش کے پھول کو سینچتی اور سرسبز کرتی ہے!

مسٹر (E. Perrier) صاحب کہتے ہیں " یہ معلوم دیگا کہ ارسطو کے بعد سائینس جس کو اس نے درست راستے پر چلایا تھا سوائے اُس کے راستے کے لگاتار ساتھ ساتھ جانے کے اور کچھ بھی نہ کرتا تھا۔ ہم اس بڑے آدمی کی نادر سائینس کی کلی کو شگفتہ دیکھنے کی اُمیدیں باندھتے

تھے۔ بدقسمتی سے ملکی تفریق اور جنگ اور معرکہ آرائیوں نے مشرق کے شروع کئے ہوئے کام کو جاری رہنے کی اجازت نہ دی"۔

سب زمانوں کے لئے ہی یہ صحیح و درست ہے۔ انقلاب اور ملکی لڑائیوں نے یورپ کی دماغی ترقی کو عرصہ دراز کے لئے بند کر دیا۔ مجموعہ مخزن العلوم کے رازداروں سے کھینچی ہوئی حرکت ماند پڑ گئی کسی قسم کی حقیقی ترقی سے پہلے امن وامان کی ضرورت تھی۔

سولھویں صدی میں (Flemings) نے پروٹسٹنٹ مذہب قبول کر لیا اہل سپین نے اس کو مکروہ خیال کیا۔ فرض کر لو کہ انہوں نے بلجیم میں بھولی بھٹکتی بھیڑوں کو واپس لانے کے لئے تلقین دینی کرنے والے ایک گروہ کو بھیج دیا ہوتا تو کس قدر تیز حرکت اور عقلی ابھار برآمد ہوتا! سپین والوں نے گرجہ گھروں میں وعظ کیا ہوتا اور انہوں نے تقریر۔ بحث مباحثہ کے واسطے صدر انجمن لگائیں ہوتیں (Flemings) نے بھی ایسا ہی کیا ہوتا بحث مباحثہ نے اُن کی فہم و فراست کو تیز کر دیا ہوتا اور یا تو سپین والے فلیمنگس کو اس بات کے قائل کرنے میں کامیاب ہوتے کہ مذہب پروٹسٹنٹ دروغ ہے۔ یا وہ خود نئے خیالات کے دور میں بہ جاتے۔ بلا شک دونو واقعات کا ظہور ہوتا۔ علم معرفت کے بحث مباحثوں نے کتنے ہی سالوں تک لوگوں کی ایک زندہ دماغی حالت کو قائم و قرار رکھا ہوتا۔ ایک سائینس کا مطالعہ اپنے ساتھ دوسرے کئی علوم کے تانتے گھسیٹ لاتا ہے۔ کیتھلک مذہب کے مخالف وحق میں دلائل بہم پہنچانے کے لئے انہوں نے تواریخ اور فلاسفی میں تحقیق و تفتیش کی ہوتی۔ مختصراً نیدرلینڈ میں ایک بڑا دماغی شگوفہ شگفتہ ہو جاتا اور ملک ایک بہت بڑی دماغی حرکت کا مزرعہ بن گیا ہوتا۔

مگر فلپ دوئم نے اس ترغیب سے ایک لمحہ کے لئے بھی کسی قسم

کے فائدے اُٹھانے کی مطلق کوشش نہ کی۔ وہ ایک دماغی جھگڑے کے متعلق عاقلانہ طریق استعمال نہ کرنا چاہتا تھا۔ اُس نے افواج بھیج دیں اور جنگ کی چھیڑ چھاڑ شروع کر دی" (Wallam) امیروں کی نافرمانی کا شکریہ" بوڑھے سپین کی سپاہ نے فلیمنگس کو کھُلے میدان لیا۔ پھر ڈیوک آف ایلیبا آیا۔ اس نے ہزاروں کو قتل پھانسی۔ ایذا اور دیش نکالا کے حکم صادر کئے۔ بدبخت صوبوں پر دہشت منڈلا رہی تھی۔ تمام ملک دُھندلے دماغی خواب میں غرق ہو گیا فیاض فلیمس لوگ ایسی گہری نیند میں خراٹے لے رہے ہیں کہ آج دِن تک بھی انگڑائی تک لینے میں قاصر رہے ہیں۔ اس مثال سے ہم دیکھ سکتے ہیں کہ جنگ کس طرح لوگوں کو "مخطرناک خوابیدگی" میں غرق ہونے سے روکتی ہے؟ قتل وخون کے عذرخواہوں کی اس ثبوت پر تشفی ہو جانی چاہئے +

ہم خوب جانتے ہیں۔ افسوس! جو کچھ حالت نیدرلینڈ میں وقوع ہوئی وہ ہزارہا دیگر موقعوں پر دہرائی گئی +

ہمارے وقتوں میں بھی دماغ کو کند کرنے میں جنگ ایک بڑا طاقتور سبب ہے +

امر واقع یہ ہے کہ جنگ میں جتنا زیادہ صرف ہوتا ہے اُتنے ہی بڑے بڑے ملکی اتحادوں کو ضرور زاید اخراجات برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ آج ہمارے وقتوں میں ایک صُوبہ کو جس میں تیس سے چالیس کروڑ سے کم باشندے ہوں اپنے سے زیادہ طاقتور پڑوسی طاقتوں کے ساتھ برابری اور رقابت ہی فقط زندہ رکھ سکتی ہے۔ ایک ملک کی دراصل خود مختارانہ پالیسی نہیں کہی جا سکتی جب تک یہ سالانہ اسّی کروڑ پونڈ کا بجٹ نہ پاس کر لے۔ اب اتنی بڑی رقم کو سالانہ وصول کرنے کے لئے کتنے ہی ٹکس وصول کرنے والوں کی ضرورت ہوگی۔ پر ہم کہیں

جا کر کم سے کم پانچ لاکھ کیلومیٹر زمین ایک بڑی سلطنت میں شامل کر سکتے ہیں۔ یہ واقع کیا ہوتا ہے۔ ایک وسیع سرمایہ قوم کی تمام زندہ طاقتوں کو اپنی طرف کشش کر کے مُردہ کر دیتا ہے تو ایک بے ترتیب اور ہیبتناک گروہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ تمام خون چُوسا جاتا ہے۔ صوبہ جات محض اس لفظ کے استعمال سے لڑائی کی ناقابل برداشت چوٹ دِلوں پر لگتی ہے اور وہ اس طرح سے بے حس و حرکت ہو جاتا ہے جیسا کہ نباتاتی پودے پالے سے +

ایک فرانسیسی شائق علم نے یہ شکائت کی ہے کہ وہ ایک صوبہ کے سب سے بڑے شہروں میں بسر اوقات نہ کر سکا کیونکہ اُن میں سے کسی میں ایسے ذرائع نہیں ہیں جو میری خاص تعلیم میں ضروری ہوں عین یہی حالت کئی دوسرے ملکوں میں ہے۔ اب یہی واجب التعظیم خواب آلودگی جنگ کی بدولت ہے۔ صوبے جنگ کے بغیر ایک عجیب دریائی جانور کی مانند ناکارہ ہو جاتے ہیں۔ جس وقت جرمنی اور اٹلی چھوٹی چھوٹی سلطنتوں میں منقسم تھے اُس وقت فرانس آسٹریا۔ روس جیسی زبردست طاقتوں کے لئے ایک کھیل کا میدان خالی پڑا تھا۔ اٹلی اور جرمنی کو اس رو سے تیر کر عبور کرنا اور اپنے آپ کو یکجا کرنا مجبوری ہو گیا ان چھوٹی ریاستوں کی متحدہ انجمن بلا جنگ کے بن سکتی تھی۔ جس سے دانائی اور خوش اسلوبی سے ترازو کے دونو پلڑے مساوی ہو سکتے تھے۔ اور انتظام عام مقامی انسٹیٹیوشنوں کے ہاتھوں میں ہوتا۔ مگر جنگ نے ان سب کو تتر بتر کر دیا۔ دو چیزیں وقوع میں آسکتی تھیں یا تو چھوٹے چھوٹے راجا خصومت کو چھوڑنے سے انکار کرتے۔ جس حالت میں اِتحاد لاحاصل تھا۔ یا بیرونی خطرے کے خیال سے شاہی طاقت کو ایک مرکز پر یکجا کر کے حکومت قائم کرنے کا اشتعال ہوتا۔ جس حالت

میں چھوٹے چھوٹے مرکزوں میں زندگی کے تمام نشانات مٹ جاتے ہیں۔ بین الاقوامی حالت کا نہ ہونا اور گہری نیند میں مست رہنا۔ دونو امور تناسب میں ہیں ؀

اس کے علاوہ جب فوج قوم کا خاص حصّہ بن جاتی ہے یہ قدرتی طور پر اس کی سب سے بہتر غذا کی اشیا کو چوس لیتی ہے۔ فوجی بجٹ کا اور تعلیمی بجٹ کا مقابلہ کرو۔ فرانس میں اس کی نسبت یوں ہے ۷۳۶,۰۰۰,۰۰۰ روس میں ۲۲۷,۰۰۰,۰۰۰ فرینک سے۔ ۵۹۰,۰۰۰,۰۰۰ کی ۱۵۸,۰۰۰,۰۰۰ کی فرینک سے موجودہ وقت میں مسلح یورپی امن وامان کی قیمت ۴۰۰,۰۰۰,۰۰۰ پونڈ کی ہے۔ یورپ کو اس بوجھ سے آزاد کردو تو وہ بیشک اس سے بھی زیادہ کثیر رقم دماغی نشوونما اور ترقی میں خرچ کریگا ؀

لگاتار کی لڑائیاں جنگ آوروں کے درمیان یقیناً نفرت مشتعل کرتی ہیں۔ چونکہ ایک غیر ملک کے باشندوں نے ہمیں نقصان پہنچایا اس خیال کے زیر اثر آکر ہم ہمیشہ اس کے ساتھ دشمنی سے سلوک کرتے رہے۔ اس کو جائز حفاظت اور شہری حقوق سے بھی جواب دیا گیا۔ حالات لوگوں کو بہت حد تک اپنے وطن کے سوائے اور کہیں باہر آباد ہونے میں مانع ہوئے۔ آبادیوں کے مخلوط میں جنگ ایک سخت رُوکاوٹ ثابت ہوئی۔ اب ہم جانتے ہیں کہ قوموں کا اپنے فرقوں سے نکل کر بیرونجات کی آبادیوں سے میل ملاقات اور کاروبار کرنا ترقی کا ایک بڑا مضبوط عنصر ثابت ہوا ہے اور دماغی سرانڈ کو اس طرح خیالات کے پھیلاؤ نے بہت حد تک روک دیا ہے۔ جنگ ایک بڑے پیمانہ میں نقل مکانی کی مانع ہے اور اس نے اس مد میں انسانی ترقی کو روکا ہے ؀

مختصراً جنگ ایک بدترین چناؤ پیدا کرتی ہے جو تربیت یافتہ کو ہلاک کرتی اور زیادہ وحشیوں کو چھوڑ دیتی ہے۔ اس نے ہمیشہ دماغی ترقی کو روکے رکھا۔ اور آج دن بھی دماغی سٹرانڈ کو یہ زائد کرتی ہے پس میں نہیں سمجھ سکتا کہ کس طرح یہ ہمارے بھائیوں کو خطرناک خواب آلودگی میں دھکیلنے کی بجائے اُن کو پاک اور نیک بنائیگی +

جنگ کا اخلاقی اثر

جنگ کے چاہنے والے اس کے فوائد میں سے زیادہ اخلاقی نفع کی حمد و ثنا گاتے ہیں:-

Vogue[1] کہتا ہے "امن بدکرداری پیدا کرتا ہے" مسٹر ولبرٹ اس کو اور واضح کرتے ہیں "امن میں انسان اپنے آپ کا ہو جاتا ہے وہ سوائے اپنے ذاتی نفع کے کسی اور قانون کو نہیں جانتا۔ اسکو اپنی بھلائی منتصور ہوتی ہے۔ کسی اور دھندے سے اُسے کچھ سروکار نہیں ہوتا۔ سب سے بڑی نیکی خود انکاری اور جانثاری کی سپرٹ ہے اور لڑائی کے موقع پر یہ فوجیں ہی ہیں جہاں کہ اس نیکی پر عمل ہو سکتا ہے۔ یہ صرف افراد کو ہی نہیں بلکہ کُل کی کُل قوم کو نیک و پاک بناتی ہے[2]"

[1] ان الفاظ کا مدعا کلی طور پر قابل الفہم ہے۔ فرانس میں ایسے اشخاص ہیں جو صرف تنگی شکم پروری کی خاطر بلاشک لوہین سوال کو قطعی طور پر نظرانداز کرنے کو تیار ہیں۔ اُن کی رائے ہے:-

"بشرطیکہ ہمیں تحمل دستیاب ہو اور سب قسم کے سکھ چین نصیب ہوں باقی کسی چیز کی ہمیں کچھ فکر نہیں +

[2] جنگ کے سُریلے گیتوں کا اثر اس کے نفس مضمون کے خلاف پڑتا ہے (دیکھو صفحہ ۴۱)

ایسی غلطیوں کی تائید سوائے یکطرفہ ڈگری کے نہیں ہو سکتی۔ آؤ ہم حملہ آوروں کے نقطۂ خیال سے اُس کو دیکھیں۔ دراصل یہ حملہ آور ہی ہیں جن کا ہمیں خیال کرنا چاہئے۔ کیونکہ بغیر حملہ کے کسی قسم کی حفاظت کی ضرورت نہیں پڑتی۔ جونہی کہ اس پر مزید روشنی پڑتی ہے تونہی مسٹر ولبرٹ کا سوال صاف ہو جاتا ہے ؂

ایک قوم سے کہو۔ "پیر سے چوٹی تک ہتھیار بند ہو کر اپنے آپ کو مسلح کرو۔ اپنے امن چین سے رہنے والے پڑوسی کے ملک پر حملہ کرو۔ کارزار میں ایک بہت بڑی مقدار میں لال لال لہو سے ہاتھ رنگو۔ ان کو فتح کرنے کے بعد اُن کو خوب لوٹو۔ کڑا تاوان لگاؤ۔ اُن کی زمینوں کو ضبط کرو۔ اُنکے لگان پر محصول لگاؤ۔ اور اُن کی مشقت کی پیداوار پر شہد کی مکھی میں جیسی کی طرح رہو۔ اگر مغلوب ایک ایسی زبان بولتے ہیں جو آپ سے مختلف ہے اُس کو بند کر کے اُن کی عقلی ترقی کو سخت خود مختارانہ عمل سے روک دو۔ اگر آپ کی نئی رعایا آپ سے مختلف مذہب رکھے اُن کے ساتھ غیر تحمل سے سلوک کرو۔ اُن کا فروں سے شہری اور ملکی حقوق ضبط کر لو۔ مقدمات پر سخت سے سخت سزائیں عائد کرو۔ اور اُن کو گروہوں کی تعداد میں جلاوطن کر دو۔ تب ہم دیکھینگے کہ آپ کے اندر نیک خوبیاں نشوونما پائینگی۔ خود انکاری اور جانثاری مشتعل ہونگی۔ آپ نیک بنوگے اور نئی

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۴۳) ہم مسٹر ولبرٹ کی رائے سے اتفاق کرتے ہیں۔ اگر یہ کامیاب ہو جائیں یا فتح پالیں۔ اگر فرانس بلاشک ورین سوال کو چھوڑ دے تو وہ پولینڈ کی قسمت کا حصہ دار بنیگا۔ فرانس (اور باقی سب لوگ) اپنے حقوق کو قائم کرنے کی خاطر خون کا آخری قطرہ اس کی برقراری میں صرف کر دیگا۔ ہم یہ اُن کے لئے نہیں لکھتے جو کہ اپنے حقوق کی حفاظت کرتے ہیں بلکہ اُن کے لئے جو کہ دوسروں کے حقوق کو چھیننے والے ہیں۔ جو اس حالت میں فرانسیس نہیں بلکہ پرشیا والے ہیں ؂

زندگی حاصل کرو گے"۔

کیا کوئی جرأت کر سکتا ہے۔ کہ کوئی ان خیالی قیاسوں سے برآمد شدہ اصولوں پر عمل کریگا؟ وہ تمام کے تمام اسباب ایسے ہیں جو نتیجۂ جنگ پیدا کرتے ہیں۔ یہ ہو کس طرح سے سکتا ہے کہ رہزنی۔ مفت خوری۔ مذہبی روک ٹوک۔ جبر و تعدی۔ ظلم زیادتی اور خودسری عوام کو پاکیزہ کر دے؟ ان جرائم کو روا رکھتے ہوئے کیا نیکی جڑ پکڑ سکتی ہے اور ترقی کر سکتی ہے۔ ہزار بار نہیں +

آؤ ہم اس انوکھی منطق اور تھوتھی دلیل کی چھان بین کریں۔ ان قدرتی ظہور کے بارے میں ہم ٹھیک ٹھیک اور راست طریقہ اختیار کریں جیسا کہ علم طبیعات پر ہمیشہ سے استعمال ہوتا ہے۔ اگر جنگ پاکیزہ بناتی ہے تو لڑاکو قوموں کو نیک اور پر امن قوموں کو بد ہونا چاہیئے۔ کیا واقعات اس اصول کی تائید کرتے ہیں۔ ۱۴۹۴ء سے ۱۵۵۹ء تک متواتر اٹلی جنگ سے سرخ رہا۔ کیا ہم یہ نتیجہ دیکھتے ہیں کہ وہاں سب نیکیوں نے نشو و نما پایا تھا۔ برخلاف اس کے بد اخلاقی اور شہوت پرستی پہلے کی نسبت کہیں زیادہ اور ہیبت ناک تصویر باندھے ہوئے کھڑی تھی۔ ہاں یہ وہی وقت تو تھا جب پوپ الیکزینڈر ششم اور اُس کا نیک لڑکا سیزر بورجیا جیسے راکشش رہتے تھے۔ اُن لڑائیوں اور بدعملیوں کا نتیجہ یہ تھا کہ اطالیہ کا چال و چلن اس قدر پست ہو گیا کہ دو صدیوں سے زائد کا عرصہ ان کے درمیان توقیر اولوالعزمی اور حُب وطنی کا دوازہ سر نو بڑا دھیما چلنے لگا۔ ہاں دیکھ لیا کہ جنگ کس طرح سے قوموں کو نیک بناتی ہے۔ مشرق میں بھی ان اسباب کے وہی نتائج پیدا ہوئے۔ اٹھارھویں صدی میں ہندوستان کی وہی حالت تھی جو سولھویں میں اٹلی کی یہ بھی قلمروؤں کی ایک بڑی تعداد میں منقسم تھا جن کے سرداروں کی سوائے اپنے صوبہ کے کہیں باہر نظر نہ ٹھیرتی تھی۔ مکمل بد امنی

کا نقشہ جما ہوا تھا۔ استمراری جنگیں برپا تھیں۔ غارتگروں کی خاطر جنگی مہمات کا آغاز ہوتا تھا تا کہ باقاعدہ اور باقرینہ صنعت و حرفت کو اکھاڑ کر پھینک دے۔ افسوس مسٹر ولبرٹ کی تمام تعظیم و تکریم کے ساتھ۔ برخلاف اس کے برائیوں کا اتھاہ گڑھا تھا۔ متواتر لڑائیوں کی بدولت ہندوستانی جماعت اس قدر گر گئی کہ انگریزوں کے ایک دانشمند اور شفا بخش حکومت کے باوجود بھی ۲۸۷،۰۰۰،۰۰۰ کی آبادی میں شاید ہی کسی انسان کے اندر حُرمت کے جذبات ہوں اور فرمانبرداری کے خیال ہوں۔[۴] ایسے واقعات اور کتنے ہی درج کئے جا سکتے ہیں۔ جو کچھ ہندوستان میں ظہور پذیر ہوا۔ اور ایسا ہی ٹھیک اُن حالات میں اور کتنے ملکوں میں ہوا +

اب ذرا امن کے نتائج کی طرف دھیان دیں۔ انگریز۔ ڈچ اور بلجیم والے اور سویس۔ ان چار یورپی قوموں نے براعظم پر فتح کے خیال کو مطلقاً چھوڑ دیا ہے۔ چونکہ وہ کسی قسم کی ضرر رساں جنگ چھیڑنا نہیں چاہتے لہٰذا وہ صُلح کل ہیں۔ مسٹر ولبرٹ اور اُس کے ہمخیالوں کے مطابق وہ انسانی جماعت کے فُضلے ہیں۔ شریف آدمی کے لئے مناسب عزت کے ساتھ ہم کہتے ہیں کہ ٹھیک اُس کا اُلٹ درست ہے۔ سوٹزرلینڈ والے اس کے ثبوت میں ایک انتہائی مثال پیش کرتے ہیں۔ سولھویں صدی

نوٹ نمبر ۴۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ مصنف نے کس بات کے زیر اثر آکر ان الفاظ کو تختۂ مشق کیا شاید وہ یہاں کے ٹھیک ٹھیک جذبات کو محسوس کرنے میں قاصر رہا ہو یا حالات سے کماحقہ واقف ہونیکے باوجود بھی محض بدظن کرنیکی خاطر شرارت کو مدنظر رکھ کر ان الفاظ کو لکھا ہو۔ آج انگریز دنیا خوب جانتی ہے کہ پالا پڑنے پر غریب ہندوستان والوں نے کس فراخدلی اور خندہ پیشانی سے زر اور پسینہ بہا دیا ہے۔ تاریخ ان صریح واقعات کی شاہد ہے۔ یہ مصنف بدنیتی سے ایسے زہر آلودہ خیالات کو ہرگز ہرگز پھیلا کر اپنا منشا حاصل نہ کر سکیگا +

میں سوئس کے منقسم ہونے کے سوا اور کوئی مغربی جنگ نہیں ہوئی۔ وہ یورپ کے تمام لوگوں میں سب سے ذلیل۔ (Gallicans) تھے۔ ہر ایک یہ بھی جانتا ہے کہ وہ سب سے زیادہ گرے ہوئے تھے +

آؤ ہم مسٹر ولبرٹ کے اصول کا دوسرا پہلو لیں یہ جنگ جماعتوں کو صحت بخش نصائح دیتی ہے"! ایک بڑے جرمنی علم الاخلاق کے ماہر نے جنگ کی تعریف "بنی نوح کو مضبوط کرنے والی لوہے کی سلاخ ہے" کے الفاظ میں کی اور قیمت کے فیض سے بجائے مفتوح کے فاتح کو بہت ہی فائدہ بخشتی ہے۔ جو اپنی شان پر ناز کرتے ہوئے دیوانے ہوجاتے ہیں اور جلدی سے ہی خیال کر لیتے ہیں کہ اُن کو ہر چیز جائز اور ہر عمل کی اجازت ہے +

اس جگہ پر مسٹر ولبرٹ نے یکطرفہ دلیل دے کر غلطی کھائی ہے چونکہ اس کو وہ بذات خود بیان کرتا ہے اسلئے یہ اور بھی عجیب ہوجاتی ہے اگر ایک قوم شکست سے بارگران ہوتی ہے تو دوسری قوم ضرور ہی فتح کا تحفہ لے جاتی ہے۔ اگر جنگ قوم اول کو ایک نئی زندگی عطا کرتی ہے تو دوسرے کو بدی کی طرف راغب کرتی ہے۔ بس شیطان کو کسی طرح کا نقصان نہیں پہنچتا +

"معاملہ نے فرانسیسوں کو مجبور کرتا ہے کہ وہ اپنے پر حکم صادر کریں اپنے ٹیکہ لاامیکیپ آپنی ضمیر کو خود دیکھیں اور خود ہی کی پڑتال کریں۔ سہ فائدہ بستنقوٗ اور ترقی کیلئے اپنے آپ کو تیار کریں"

جینا (Jena) نے بھی اہل پرشیا پر یہی اثر پیدا کیا۔ مگر دوسری طرف جینا کا مقصد فرانسیسوں کو افروختہ کرنا تھا اور لیڈان کا اہل پرشیا کو۔ ۱۸۰۶ء کے بعد ایک نیک پرشیا اور ایک بداعمال فرانس کا ظہور ہوا۔ ۱۸۷۰ء کے بعد ایک نیک فرانس اور ایک بدپرشیا۔ بنی نوع کو کس بات

میں فائدہ ہے اس امر کا اصرار کہ شکست ہمیشہ ہی قوموں کو نیا جنم دے دیتی ہے دلیل کے سامنے نہیں ٹھیر سکتا ہے +

بیزنطینی (Byzantine Empire) ہر کوآمیز کے زمانہ میں اپنے عروج پر پہنچی۔ جس نے فارس کے خلاف ایک شاندار معرکہ آرائی کی۔ یہ اُن ممالک میں جا گھسا جہاں (Crassus and Trajan) نے کبھی مُطلق قدم نہ رکھے تھے۔ جلدی ہی عرب والے وارد ہوئے بیزنٹائن پسپا ہوئے۔ صرف ایک چوٹ کے لگنے پر اپنی آدھی سلطنت۔ تمام سیریا اور افریقہ سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ اس وقت سے لیکر دوسرے مسلمانوں کے قسطنطنیہ پر قابض ہونے تک بیزنٹائن کے پاس پہلے کے مقابلے میں ہمیشہ کم ہی ملک رہا۔ مشرقی سلطنت کے یونانی خوفناک شکست پر شکست کھانے لگے۔ کیا محض اس وجہ سے کہیں یونان اوج پر پہنچا ہو کیا اس کے طفیل اس کو اچھا گھٹن نصیب کیا ہو اس نے اپنے آپ کو "زیادہ اتصال اور کمال" کے امتحان کے لئے تیار کیا ہے۔ مشرقی سلطنت کے خاتمے پر ہم یونان کے بارے میں کچھ ذکر اذکار نہیں سنتے +

یہی الفاظ ترکوں کے بارے میں بھی کہے جا سکتے ہیں (John Sobieski) سے آج دن تک انہوں نے نہایت ہی سخت سبق حاصل کئے ہیں۔

نوٹ نمبر ۳۔ عجب طرح کی منطق ہے! اس اصول کے مطابق ہر ایک کو زک اُٹھانی چاہیئے۔ اور اس کے سبب صدمات اور نقصانات برداشت کرنے چاہئیں۔ یہ کہا جاتا ہے کہ ٹائیفائیڈ بخار کے دورے کے بعد ایک مریض پہلے کی نسبت اپنے آپ کو زیادہ اچھا محسوس کرتا ہے۔ پھر کیا یہ دلیل ہونی چاہیئے کہ ہم کو بھی ٹائیفائیڈ بخار آکر ستائے؟ ممکن ہے کہ یہ نئی روح پھونکتا ہو۔ پر ہم بھول جاتے ہیں بعض مریض کو اکثر ہلاک بھی کر دیتا ہے +

ترکی سلطنت کی بندش آج دن بھی اتنی کمزور اور ڈھیلی ہے۔ جیسی کہ ساتویں صدی میں تھی۔ دراصل بعض صورتوں میں اس سے زیادہ خراب۔ تب "بڑی ترقی" کہاں گئی؟ کیا سوئیس کی حکومت Rasbeech راس بیچ کی لڑائی کے قبل کے زمانہ کے مقابلہ میں پھر کبھی بھی اچھی رہی؟ کون ہے جو جرأت کرے اور ہاں میں ہاں ملائے؟

سچ تو یہ ہے کہ بعض قومیں اس طرح شکست کے بعد بھی ترقی کرتی رہی ہیں جیساکہ بعض فتح کے بعد۔ یہ ایک امر واقع ہے۔ جس کا انحصار بے شمار اور پیچیدہ اسباب پر ہے۔ جن کا اس چھوٹی کتاب میں بیان نہیں ہوسکتا۔ بعض اوقات شکست ترقی کا ایک جزو ثابت ہوجاتی ہے۔ مگر یہ بودی دلیل اور خالی از عقل بات ہے کہ ہم قوموں کے اوج وکمال کی وجہ صرف جنگ کو قرار دیں ؛

خون بہانے کے مختار ایک ضروری امر کو نظر انداز کر جاتے ہیں صرف معمولی شکستیں نہیں ہوا کرتیں بلکہ شکست فاشیں بھی ہوا کرتی ہیں۔ ۱۸۵۶ء میں روس نے اپنی سلطنت کا $\frac{1}{184}$ حصہ اور ۱۸۷۱ء میں فرانس نے اپنے ملک کا $\frac{1}{34}$ حصہ ہمیشہ کے لئے کھودیا۔ زخم قابل برداشت تھے۔ نئی زندگی اغلب تھی۔ مگر یونانی قوم اوٹامان کے زیر حکومت آن کر کُلی طور پر اپنا نشان کھو بیٹھی اور آئرلینڈ والے انگریزوں کے غلبہ میں آگئے۔ تمام پولینڈ اپنے پڑوسیوں کے مابین تقسیم ہوا ہوا تھا۔ موجودہ وقت کی طرح عرصہ دراز تک یہ تصور کیا جاتا تھا کہ ملکی غلامی مغلوب انسانوں کے اندر سب سے بڑے نقصوں کو نہ صرف پیدا کرتی بلکہ بڑھاتی ہے۔ مکاری۔ ریاکاری۔ دروغ گوئی اور کمینگی۔ بنگالی۔ جن کا ہم نے دوسرے باب میں ذکر کیا تھا اُن کے ملک پر لگاتار حملے ہونے کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بگڑ گئے۔ اگرچند قوموں کی ترقی جنگ

کے طفیل ہوئی ہے تو دوسری کئی قومیں اس کے سبب سے بداعمال ہو گئی ہیں۔ نفع اور نقصان کے دو تو بلڑوں میں آخرالذکر کا ہی پلڑا بھاری ہوگا۔ خیالات کی بلندی کو کسانوں میں ب رقم کے برابر تصور کرلو۔ جنگ کی جبر و تعدی سے جو گراوٹ ظہور میں آتی ہے وہ اس سے منفی کرلو تو منفی رقم بہت ہی زیادہ ہوگی +

فتح کے بعد بدترین چناؤ کی رفتار دوگنی ہو جاتی ہے (صحت اور مشقت کے لحاظ سے) اس نقطہ پر (Mr. Vaccaro) بہت ہی صاف صاف کہتے ہیں :-

"فاتح مفتوح سے پابندی حکم چاہنے کے لئے ان کو آزار پہنچاتا اور بدسلوکی کرتا ہے۔ وہ سب سے مضبوط۔ سب سے بہادر۔ اور غیر مغلوب تک کو بھی پھانسی پر چڑھاتا اور اُس کے بمقابلہ میں زیادہ کمزور زیادہ بزدل اور زیادہ فرمانبردار کو رہنے دیتا ہے کیونکہ یہ دوسروں کے علاوہ ایسی اولاد پیدا کرتے ہیں جن کے اندر غلامی اور کمینے پن کے خیالات تمام قوم میں جاگزیں ہو جاتے ہیں" +

یہ ایک خلاف منطق بات ہے جس پر تہذیب یافتہ اقوام بدقسمتی سے عمل کرنے کی عادی ہیں۔ مغلوب شدہ لوگوں کو اس لئے حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے کیونکہ اُن کے اندر برائیاں ہیں۔ چونکہ اُن سے حقارت کی جاتی ہے۔ اس لئے نفرت ان کی رگ رگ میں جاگزیں ہو جاتی ہے۔ روسی پول والوں سے بڑی سخت نفرت رکھتے ہیں۔ ایسے ہی تمام عیسائی دنیا بدبخت یہودیوں سے نفرت کرتی ہے پول والوں کی خودمختاری کی عزت نہ کرنے سے اور یہودیوں کو شہری اور ملکی حقوق عطا نہ کرنے سے صرف اتنا ہی نہیں بلکہ ہم یہودیوں کے ساتھ وحشیانہ طور سے بدسلوکی اٹھارہ صدیوں سے کرتے چلے آئے ہیں۔ اس لئے اُن کی تحقیر و بیقدری

ہوتی ہے۔ ہم اُن سے نفرت کرتے ہیں بجائے اس کے کہ ہم اپنے آپ سے نفرت کریں کیونکہ ہم نے اُن کی ذلت اور بے قدری کی ہے۔ کیسی قابل تعریف دلیل! مظلوم سے خفا ہوں نہ کہ ظالم سے۔ بدکرداروں سے نہ کہ بدکار بنانے والوں سے +

مہاتما بدھ کے وقت سے آج دن تک ہم نے اخلاقی تعلیم تحریر و تقریر کے ذریعہ دی ہے پند و نصائح کو ہمیشہ ہی جُست الفاظ کا لباس دیا گیا "تم کو قتل نہ کرنا ہوگا۔ تم کو چوری نہ کرنی ہوگی۔ زنا کاری نہ کرنی ہوگی" وغیرہ وغیرہ بااخلاق اشخاص نے ہمیشہ اُس شخص کو اپنی نظر میں رکھا جو بُرا کام کرتا ہو نہ کہ اُس شخص پر نگاہ رکھی جو کہ اسکا محرک تھا۔ یہ منطق سے خالی ہے۔ محرک کا عمل کرنے والے کے فعل کے زیر اثر ہوتا ہے۔ مگر جونہی ایسے سوالات بین الاقوامی ہو جاتے ہیں تو مانو کہ جادو کے زیر اثر عقل عامہ خارج ہو جاتی ہے۔ جنگ مجموعہ قتل ہے ایسا سب کچھ ہونے پر بھی اس کی تعریف ہوتی ہے۔ اُس کو عجب صفات کا مجموعہ ٹھیرایا جاتا ہے۔ صرف اس وجہ سے (بعید الفہم مغالطہ کا شکریہ) کہ فقط وہ اقوام حملہ آور کے ظلموں کو خیال میں رکھتے ہیں نہ کہ اُن کو جو ظلم سرزد کرتے ہیں۔ ہم جنگ کے مختاروں سے خوشی کے ساتھ اتفاق کرتے ہیں کہ اپنی زندگی کو بھی خطرہ میں ڈال کر اپنے حقوق کی حفاظت کرنا یا ایسے کرنے میں جان ضائع کر دینا خیال کردہ کاموں میں سے سب سے زیادہ قابل تعریف ہے ہماری اندرونی ہمدردی اُن نیک مظلوموں کے ساتھ ہے جو موت کو ذلت و خواری سے بہتر سمجھتے ہیں۔ ہاں ممکن ہے کہ جنگ اخلاق کو پیدا کرے۔ مگر صرف اس شرط پر کہ وہ اقوام غیروں کی جانب سے حملہ ہونیکی صورت میں اپنی حفاظت کریں +

ایک اور دلیل۔ اگر تواریخی وقتوں کی آٹھ ہزار لڑائیاں بھی اخلاقی پہلو سے کوئی بہتر تبدیلی پیدا نہ کر سکیں۔ تو کیا اُمید ہے کہ آٹھ ہزار اور ایک لڑائیاں اس نتیجہ کو پیدا کر دکھائینگی +

کیا جنگ کے مختیار اس بات سے انکاری ہیں کہ قتل و خون بین الاقوامی نفرت پیدا کرتا ہے اور قوموں کے مابین نفرت سے پیدا شدہ پُرضرر بُرائیوں کو پیدا کرتا ہے۔ کیا یہ قوموں کے اختلاط اور خیالات کی وسعت میں یہ سب سے بڑی رُکاوٹ نہیں ڈالتی؟ کیا یہ ہماری تنزلی اور دماغی سرانڈ کا سب سے بڑا ابھاری سبب نہیں ہے؟ کیا یہ جنگ نہیں ہے جس نے یورپ کو ایک مورچے دار خیمہ اور ڈائمنایٹ کی کان نہیں بنا دیا؟ کیا یہ جنگ نہیں ہے کہ جس نے ہمیں اس افسوسناک حالت میں جس میں کہ ہم ہیں۔ دھکیل دیا ہے۔ ماسکو گزٹ لکھتا ہے

"یورپی اقوام ایک دوسرے سے اس قدر تلخ ہو گئی ہیں کہ وہ اسلحۂ جنگ سے کنارہ کشی کا خیال ہی نہیں کر سکتیں"+

ایسی بحث دراصل قابلِ تعریف ہے۔ ماسکو اخبار نویس کی نظروں میں جنگی سامان برطرف نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ایک نئی جنگ لاعلاج ہے جو ان سب جنگوں سے بے رحمانہ ہوگی جو آج تک انسانوں کی تواریخ میں قلمبند ہوئی ہیں۔ بارہ کروڑ انسان خوفناک مُہم میں بربادی کے نہایت طاقتور انجنوں سے مسلح ہونگیں مظلوم لاانتہا ہونگے۔ اگر چند ماہ بھی خصومت بڑھتی رہی تو اُس کا بدلہ لینے کو لاکھوں آمادہ ہو جائینگے + کچھ مضائقہ نہیں۔ کتنا ڈراونا کُشت و خون ہو آخر کو فاتح اور مفتوح تو کوئی نہ کوئی ہوگا ہی۔ آخر الذکر آتش انتقام کو سینہ میں سلگائیگا۔ کیا ماسکو اخبار نویس سنجیدگی سے یہ خیال کرتا ہے کہ آئندہ جنگ کی خوفناک قصابانہ قتلِ عام کے بعد کسی وہم و گمان سے باہر معجزہ سے

جذبات جنگ ہمیشہ کے لئے کم ہو جائینگے؟ نہیں وہ پہلے کی نسبت زیادہ بھڑکینگے۔ ہر ایک شکست کے ساتھ کدورت و خصومت اور تیز ہو جاتی ہے۔ جرمنی نے (Patafinata) کی آتشزدگی فراموش نہیں کی۔ "اسلحۂ جنگی کو یکطرف کرنے کی کونسی تلخ شے کو یکجا کیا جائے" اس فقرے کے کیا معنے۔ تلخی دوسری جنگ پر دس گنا ہو جائیگی۔ اور اوّل کی نسبت زیادہ بے رحمانہ۔ پُرانا عقیدہ رکھنے والے کِسی قسم کے مستقبل کا اندازہ کس طور پر لگاتے ہیں؟ بے رحم نہ ختم ہونے والے کُشت و خون سے؟ اور اس قتل و خون کو انسانی جماعت کا نئی زندگی عطا کرنے اور اس کو نیک بنانے کا ذریعہ خیال کرتے ہیں؟ اور ساتھ ہی مٹی کے تیل پر اس بات کا بھروسا کرتے ہیں کہ وہ آتشزدگی کو بجھاویگا"
مختصراً جنگ وحشی طاقت کو اپیل کرتی ہے۔ ہمیشہ گراوٹ پیدا کرتی ہے۔ انسان کو حیوان کے مساوی بنا دیتی ہے اور فاتح اور مفتوح دونو کو بداعمال بنا دیتی ہے +

اشخاص بعد الحیات دستور العمل خیالات اور دھوکے کی دلدل

خوراک حاصل کرنے کے لئے جانداروں کا ہلاک کرنا ضروری ہے

نوٹ نمبر ۶۔ قدیم سلطنت جرمن کے دو صوبے ملکر اپر اور لوئر پیلیٹینیٹ کہاتے تھے۔ ۱۶۴۸ء میں اپر لوئر سے الگ کیا گیا۔ بوٹریا کو اپر مل گیا اور لوئر ایک علیحدہ ریاست جس میں چناؤ سے کام چلتا اور اس کا نام ڈی پیلیٹینیٹ پڑ گیا۔ ۱۸۱۴ء میں پھر پیلیٹینیٹ کے ٹکڑے ہوئے جس میں زیادہ حصہ بوٹریا کے ہاتھ لگا۔ ہس ڈرمس ڈٹ اور پرشیا نے باقی حصہ لیلیا۔ رائن دریا کے مغرب کی طرف بوٹریا کے الگ ہوئے ٹکڑے کا نام اب پیلیٹینیٹ ہے اور اپر پیلیٹینیٹ دوسری سلطنت کا حصہ بنتا ہے +

اور اس خاطر انسان نباتات اور حیوانات کے ساتھ مقابلہ کرتا ہے بعض اوقات
جبکہ اشیاء خوردنی کا ذخیرہ ختم ہوگیا تو اُس نے ہمذات بھائیوں پر حملہ کیا
اور آدم خور بن گیا۔ بعض اوقات انسان نے اس لئے جنگ برپا کی تاکہ کہیں
اس کی ضیافت نہ بن جائے اور اس لئے موذی جانوروں کے خاتمے کے
لئے بصورت شکاری لمبی لمبی لڑائیاں لڑتا رہا۔ خوراک کی کشمکش کے زمانے
میں قتلِ عام لابد ہے کیونکہ جنگ کا اولین مقصد یہی رہا ہے۔ اب اس وقفہ
کو لاکھوں ہی برس ہو گئے جس وقت وہ اُن کو مارنے کا زیادہ سے زیادہ
عادی ہوگیا اور جنگ ایک دستور العمل بن گیا +

بھیڑ بکری چرانے اور کاشتکاری کرنے سے جب کچھ وقت کے
بعد انسان کے پاس اشیاء خوردنی بکثرت ہوگئیں وہ اپنے ہمسایہ کے
مقبوضہ مال کی حرص کرنے لگا اس تاریخ سے ہماری سیاسی اور ملکی
لڑائیاں۔ جذبہ استمراری خراج اور فتوحات کا آغاز ہوا۔ چونکہ انسان عرصہ
بعید سے جنگ کے ذریعہ خوراک حاصل کرنے کا عادی ہوگیا اس نے
جنگ کو جلد ترین نفع بخش طریق سمجھا کہ جس کے طفیل وہ اپنی امارت و
ثروت پختہ راستوں سے بڑھا سکتا ہے۔ دن آیا جبکہ دماغی ضروریات
نے اپنا دباؤ ڈالا چونکہ سب انسان یکساں نہ سوچ سکتے تھے۔ لہذا راؤں
میں فرق پیدا ہوا۔ اپنی پیدا کردہ عادت کا نتیجہ اس کے خیال پر ہوا۔ کہ
تبدیلی کا بہترین ذریعہ قتلِ عام ہے۔ جیسا کہ حصول خوراک کا بہترین
طریق پہلے ہی سے قتل سمجھا جاتا تھا +

ہم بھدے بزرگوں کے دھوکے کے اب حصہ دار نہیں ہیں۔
ہم جانتے ہیں کہ جنگ فاتح کو مالدار نہیں بنا دیتی۔ ہم مادی طریق پر
انسان کی ضمیر پر کام نہیں کر سکتے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ ایک رائے کو
رد کرنے کے لئے بھی اس کے برخلاف دوسری رائے پیش کرنی چاہئے

ہم یہ سب کچھ جانتے ہیں۔ مگر افسوس۔ بزرگانہ خیالات جو نسلوں سے ہمارے دماغوں کے اندر جاگزین ہیں بہ آسانی نہیں اُکھڑ سکتے۔ جنگ کی سیاسی ملکی اور روحانی سوالات کو حل کرنے کی بے تاثیری عیاں ہے۔ مگر ہم وقت کے سڑے ہوئے طریقوں میں غلطاں ہیں اور روائتوں کے آغاز سے ان ہی طریق پر عمل کرتے چلے آتے ہیں +

دراصل آج کل کے تہذیب یافتہ لوگ محض اس خاطر جنگ برپا کرتے ہیں کیونکہ ان کے وحشی بزرگوں نے بھی ایسا ہی کیا اور دوسری کوئی وجہ نہیں ہے۔ یہ بزرگوں کی مشابہت دستور العمل ہے۔ سراسر روحانی کاہلی سے وہ اپنی مادی عادتوں کو نہیں چھوڑتے۔ اب چونکہ بلا کسی مطلب کے جنگ برپا کرنے کا ارادہ ان کو تحریک کرتا ہے تو قیاسی اصول پیر اصول گھڑتے چلے جاتے ہیں اس کو واجب ثابت کرنے کے لئے ایک قابلِ تحسین فعل اور عین سعادتمندی سمجھتے ہیں +

جو حال جنگ کا ہے بعینہ وہی مستند زبانوں کا ہے۔ یورپ میں لاطینی زبان تمدن اور سائینس کا ذریعہ تھی۔ لوگ اس کو اس طرح سے یاد کرتے ہیں جیسا کہ برٹنی میں ایک کیڈٹ فرانسیسی کو سیکھتا ہے یونانی علم و تمدن میں بھلانے والے اور دیگر سائینس کے خزانچی تھے پندرھویں صدی میں یونانی اس وجہ سے سیکھی جاتی تھی جس وجہ سے آج ایک روسی فرانسیسی زبان کو سیکھتا ہے۔ یہ سب گذشتہ کی باتیں ہیں مگر دستورالعمل برابر ویسا ہی قائم ہے۔ تربیت کے پرانے طریق اس تبدیلی کے مخالف تھے اور ہم نے بڑے عجیب و غریب دھوکے کی ٹٹی سے اُن کو روا رکھنے کی سعی کی ہے۔ غرضیکہ ایک بہار کے دن ہم نے یہ نئی بات نکالی کہ لاطینی و یونانی کا مطالعہ بہترین عقلی کثرت (ورزش) ہے اور یہ دلیل بازی کی حس کو بڑھاتی ہے۔ یہ تربیت کا ایک بڑا مضبوط ہتھیار ہے

پُرانے وقتوں میں یونانی اور لاطینی ایک مقصد کے ذرائع تھے مگر جونہی کہ وہ اس مطلب کو حل نہ کر سکے تو نہی اُن کو مقصد کا مرتبہ عطا کیا گیا ٭

عین یہی حالت جنگ کی ہے۔ عزت و حشمت حاصل کرنے کے لئے انسان صدیوں سے جنگ کرتا رہا مگر جب اس بات کا پتہ لگا کہ جنگ فاتح اور مفتوح دونو کو غریب کر دیتی ہے اور قابلِ ذکر صفات اسکی بدولت ظاہر ہوتے ہیں۔ تو دھوکے کی دلدل نے کافی طور پر کیچڑ کی بوچھاڑ کر لی۔ جو اس بات کا یقین دلاتی ہے کہ جنگ اقوام کو با اخلاق بناتی ہے۔ کُشت و خون دماغی سرانڈ سے انسان کو بچاتا ہے۔ اور ایسی ہی دوسری باتیں۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ یہ سب فوائد جنگ اُس وقت دکھائی پڑتے تھے جبکہ عام رائے اس سے منحرف ہو چکی تھی۔ اور ٹھیک یہی حال لاطینی کا ہوا۔ جب لاطینی کے مطالعہ کی کوئی چنداں ضرورت نہ رہی تو اُس کی طلسماتی خوبیوں کا اظہار کیا گیا ٭

یہ دھوکے کی ٹٹیاں مانند ایک چھلے کے کھوکھلی ہیں لہذا حرف گیری برداشت نہیں کر سکتیں ٭

جنگ جرم کے مساوی ہے۔ جرم عیاشی کا ایک جذبہ ہے جو قتل کئے قبل بازگشت نہیں کرتا۔ اگر جرم ایک برائی ہے تو جنگ کیونکر اچھا ہوا؟ قتل۔ افراد بشر کے مابین جنگ ہے ٭

بد قسمتی سے یہ ایک خدشہ ہے کہ باہمی قتل کبھی بھی بند نہ ہوگا مگر اس کی کوئی تعریف نہیں کرتا۔ کوئی بشر اس میں لوگوں کو با اخلاق بنانے کے ذرائع نہیں دیکھتا۔ اس طور پر شہری لڑائیوں کی تعریف نہیں کی جاتی۔ اگرچہ یہ لاعلاج ہیں۔ بس جنگ غیر ملک کے باشندوں کے قتل کی حالت میں تمام صفات پیدا کرتا ہے۔ باشندہ غیر ملک۔ یہ لفظ حرف رواجی ہے۔ چودھویں صدی میں جرمنی کے چھ سو پچاس

صوبے ایک دوسرے کو غیر ملک کے باشندے جانتے تھے۔ ایک شاہزادہ
کے دو لڑکے تھے جن کے مابین اُس نے اپنی مملکت منقسم کردی۔ اُس
وقت سے بڑے لڑکے کی رعایا چھوٹے بھائی کی رعایا سے ایک غیر
ملک کی بن گئی۔ اگر شہزادہ کا ایک ہی فرزند ہوتا تو وہ ہموطن ہی رہتے۔
تو کس طرح مجموعہ قتل صرف تخت نشینی کے اتفاق سے سودمند بنایا
جاسکتا ہے۔ عرصہ قدیم سے آسٹریا کے جرمن۔ ڈچ میگیر۔ آپس
میں غیر ملک کے ہوسکتے ہیں۔ ۱۵۲۶ء میں فرڈنینڈ اوّل بوہیمیا اور
ہنگری دونو کا راجہ چُنا جاتا ہے اُس وقت سے دونو قومیں ہموطن
بن جاتی ہیں۔ آج فرانسیسی اور انگریز آپس میں غیر ہیں۔ اگر کل ہی
وہ دونو ملکی اتحاد کرلیں تو فوراً ہموطن بن جائینگی۔ کیا زبان کا فرق ایک
کو غیر بناتا ہے؟ اگر ایسا ہی ہو تو ایک (Breton) ہرگز فرانسیسی
نہ ہوگا۔ یورپ میں کوئی بڑا ایک صوبہ بھی ایسا نہیں ہے۔ جس میں
کئی ایک زبانیں رائج نہ ہوں۔ زبانیں بسا اوقات آغاز میں بہت
ہی مختلف ہوتی ہیں جیسا کہ باسک اور سپینش باسک ایرین زبان
بھی نہیں ہے۔ رُوسیوں اور سپین والوں میں تا باسک اور سپین والوں
کی نسبت زیادہ قُربت ہے۔ یہ مثال اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ مختلف
زبانیں بولی جاسکتی ہیں۔ تاہم یہ ضروری نہیں کہ انسان ایک دوسرے
پر جنگلی جانوروں کی مانند حملہ آور ہوں +

ہم پھر دوبارہ کہتے ہیں کہ لفظ "باشندہ غیر ملک" فقط رسمی ہے۔
جب جنگ کے مختیار یہ قبول کرتے ہیں کہ جنگ اگر غیروں کے خلاف
برپا کی جائے تو کئی صفات کو پیدا کرتی ہے۔ پھر ہم سب سے اوّل یہ
سوال کرتے ہیں کہ اس لفظ کی صاف صاف اور ٹھیک ٹھیک
تعریف کردیویں +

انسان کے دل میں جو غلط فہمی حفاظت کے متعلق ہے وہی جنگ کے بارے میں ہے۔ اگر حصول دولت کو ہی بڑھانا ہے تو کیا وجہ ہے کہ اس کو نیویارک اور پینی سیلونیا کے درمیان اُسی طرح سے قائم کیوں نہیں کرتے جیسا کہ نیویارک اور جرمنی میں؟ اسی طور پر اگر جنگ سُود مند ہے" اگر یہ انسانوں کو بہادرانہ کرتب دکھانے کا موقع دیتی ہے اگر یہ خود انکاری اور جانثاری کو پیدا کرتی ہے" تو ایک ملک کی رعایا کے اندر ہی جنگ کیوں نہیں برپا کرتے۔ شہری جنگ بھی وہ تمام صفات پیدا کر سکتی ہے جو بین الاقوامی ÷

آؤ اب ہم خون کے مختیاروں کی دھوکہ کی ٹٹی کو اخلاقی نقطہ خیال سے دیکھیں ÷

جہالت۔ جُرم اور بدی موجود ہے اس لئے یہ "خدا کی قائم کردہ چیزوں کی تربیت کو مضبوط کرتی ہے"۔ جیسا کہ (Von Moltke) نے کہا۔ اس کے باوجود بھی کوئی بشر اس میں خوشی و عزت تصوّر نہیں کرتا۔ نہ ہی جہالت جرم اور بدی کو کوئی شخص آشیرباد دیتا ہے کوئی بشر یہ ثابت کرنے کی سعی نہیں کرتا کہ یہ انسانی خوبیوں کو پیدا کرتی ہے۔ اس کے برخلاف لوگ ان جُرموں کو منسوخ کرنے کی حتے المقدور کوشش کرتے ہیں۔ رام شام کو قائل کرنے میں کامیاب نہیں ہوتا۔ وہ شام پر حملہ کرتا اور اُسے ہلاک کر دیتا ہے۔ ہم اس فعل کو اس وقت تک مکروہ خیال کرتے ہیں جب تک یہ دو شخصوں کے مابین ہے۔ اگر ایسا ہی کوئی فعل مجموعی طور سے ہو تو ہم تحسین و آفرین کی گونج دور دور تک پہنچاتے ہیں۔ سپین والوں کا مسلمانوں کے خلاف جہاد یورپی اقوام کے اندر کس قدر جوش پیدا کرتا ہے ÷

جنگ کے مختیار کہتے ہیں کہ یہ دلاوری اور جانثاری کو پیدا کرتی

ہے۔ اس طور پر دلیل دیتے ہوئے وہ اس بات کا خیال نہیں کرتے کہ خیرات کی ضرورت ۔ دلاوری کی ضرورت کی نسبت بہت قابل افسوس ہے! یہ ہزار دفعہ بہتر ہوتا کہ اگر انسان مالدار ہوتے اور عاقبت اندیش ہوتے پر دوسروں کے حاجتمند کبھی بھی نہ ہوتے۔ کون نادان سفارش کریگا کہ آئے سال کئی ہزار انسان خستہ حال ہوں۔ کیونکہ فیاضانہ جرأت کو موقع ملنا چاہئے کہ یہ اپنے قابل تعریف کام کو کرے۔ کیا کبھی کسی شخص نے سفارش کی کہ ہیضہ اور تپ دق کے جرموں کو اس لئے خوب پھیلایا جائے کہ وہ انسانوں کی خدمت کا ثبوت دیں؟ کون بیوقوف تجویز پیش کریگا کہ آئے سال سینکڑوں گھروں میں آگ لگائی جائے تاکہ آگ لگانے والا اپنی جرأت اور معمار اپنی صنعت دکھائے؟ یہ خوبیاں کہیں اُن کو کمزور و ہلاک نہ کردیں؟

وہ رحم دل جو اپنے آسائش و آرام کو لات مار کر اپنے ہموطنوں کو خیرات سے بھائی بنکر مدد دیتے ہیں۔ ڈاکٹر اور آگ بجھانے والے جو کہ بسا اوقات اپنی زندگی کو قربان کرکے دوسروں کو بچا لیتے ہیں۔ ان کا ہمیں بڑا مشکور ہونا چاہئے اور تحسین و آفرین کرنی چاہئے۔ مگر ہماری تمنا ہے کہ انہیں اس قسم کے سخت مواقع ایسی خدمات سرانجام دینے کو نصیب نہ ہوں۔ عرصہ دراز سے ہم ہر طرح سے کوشش کر رہے ہیں کہ ان کی خدمات کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ اس دلیل کے جزو کو ہم کلی طور سے جنگ پر عاید کرتے ہیں۔ سپاہی جو اپنے وطن کے لئے مرتا ہے قابلِ تعریف کام سرانجام دیتا ہے۔ مگر ہماری یہ خواہش ہونی چاہئے کہ اُس کو اس طرح جان پر کھیلنے کا موقع نہ ملنا چاہئے اس موقع کو ڈھونڈھنے کی خاطر جنگ کے خیالات کو وسعت دینا سراسر نادانی ہے *

جنگ کی ایک اور خوبی بیان کی جاتی ہے۔ یہ زائد آبادی کی مانع ہے۔ تمام ڈھوکا کی ٹٹیوں سے یہ بڑی بیڈھب ہے۔ ایک عورت بچے کو جنم دیتی ہے۔ اپنی چھاتی سے اُس کی پرورش کرتی ہے۔ محبت سے پالتی ہے۔ اُس کو اعلےٰ تعلیم دی جاتی ہے تاکہ جہاں تک ہو سکے وہ گھر کے اخراجات کا حصہ برداشت کرے۔ اکیس برس کی عمر میں وہ اس نسل کے دیگر خوبصورت نوجوان اس لئے چنے جاتے ہیں اور اس مقصد کے لئے جنگ میں قصابانہ طور سے قتل کئے جاتے ہیں تاکہ کہیں آبادی زیادہ نہ ہو جائے۔ کیا یہ خالص پاگل پن نہیں ہے اگر آبادی زائد سے بھی حقیقت میں کوئی تکلیف ہے تو کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ اولاد کم پیدا کرے۔ بجائے اس کے کہ ہر نسل کے بہترین پھول وحشانہ طریق سے بے دردی سے ہلاک کئے جائیں +

تھوڑے برس ہوئے کہ غداروں نے یورپ کے کئی شہروں میں بمب پھینکے۔ اُنہوں نے کہا کہ ہم اس پوشیدہ سوسائٹی سے خفا ہیں۔ ہم ڈینامنٹ سے اس کو نئی زندگی کا جامہ پہنائینگے۔ تمام دُنیا نے اُن کو اس لئے سخت و سُست کہا کہ اُن کے وحشانہ فعلوں سے کئی بے گناہ انسان مر گئے۔ مگر جنگ ہمیشہ ہی یہی نتائج پیدا کرتی ہے +

نپولین سوئم اس کے نائب اس کے کمینے غلام وغیرہ اور واضعان قانون سب بدکرداری مجسم تھے۔ مسٹر جانسن اور مسٹر ولبرٹ اور ایسے دوسرے اشخاص کی نظروں میں سیڈان ان سب کو ایک نئی زندگی عطا کرنے والا تھا۔ مگر افسوس! کتنے ہزار مظلوم اور خشکی کے کتنے دلاور اس جنگ میں مرے! کسان جنہوں نے صبح و شام محنت و مشقت کی۔ ایسے والد جو اپنے لخت جگروں کو محبت کرتے اور جو پیسہ پیسہ کفائت شعاری

سے بچاتے اور ملک کے لئے اصلی عروج کی تیاری کرتے۔ اپنی ہستی سے ہاتھ دھو بیٹھے اور درباریوں کا مشہور گروہ جس نے قتلِ عام مشتعل کیا ذرا بھی نقصان برداشت نہ کر کے عہد و پیمان پر دستخط کر کے پھر وہی پُرانی عیش و آرام کی زندگی بسر کرنے لگا۔ یہ ہے طریق جس طرح جنگ لوگوں کو با اخلاق بناتی ہے۔ یہ بے قصور کو قربان اور سزاوار کو رہا کرتی ہے کشت و خون کے مختاروں کو اگر یہ ذرائع تاثیر بخش معلوم دیتے ہیں تو ہم پوری صدقدلی سے اُن کو مژدہ دیتے ہیں +

مسٹر ولبرٹ کے خیال کے مطابق اگر علم الاخلاق کے ماہر کے اختیار میں جنگ کا روکنا ہوتا تو وہ شاید شش و پنج میں پڑ جاتا۔ عجب! آپ یہی الفاظ پلیگ۔ ہیضہ۔ بھونچال۔ قحط سالی کے بارے میں کیوں نہیں کہتے؟ کیا تندرست اعضا کو رکھنے والا ایک انسان بھی زندہ نہیں ہے۔ بہت معمولی حیثیت کا انسان جس کے اختیار میں جنگ کو ایک چوٹ سے اُٹھا دینا ہو۔ وہ اس میں جھجکے۔ جنگ پلیگ مجسم کا منصب ہے۔ جہاں دوسری بدیوں کو بددعا دیتے ہیں وہاں جنگ کو آشیرباد دیتے اور اس میں بڑی نیکیاں ڈھونڈتے ہیں۔ جب قدرت کا ہاتھ زر و مال اور انسانی باتوں کو برباد کرتا ہے تو ہم اُسے تباہی سمجھتے ہیں۔ جب انسان غضبناک بربادی اور غربت کو دیوانہ وار پھیلاتا ہے تو ہم اُس کو خوش قسمتی اور آبادی سمجھتے ہیں۔ جنگ اور حفاظت دونو کا مدعا ایک ہی ہے۔ جب سب اشیا گراں ہو جاتی ہیں تو وہ مصیبت ہے۔ جس کو روکنے کا ہر ایک وسیلہ ڈھونڈھا جاتا ہے۔ سڑکیں۔ نہریں اور ریل کے راستے اور ہر قسم کی مشینیں بنائی جاتی ہیں۔ مگر جب گراں بھاؤ مصنوعی طور پر محصول لگا کر کیا جاتا ہے تو اُن کو تسلیم کیا جاتا ہے +

جس کا جی چاہے اس عجیب منطق کو سمجھائے۔ قدرتی طور پر ہر

ایک انسان جو دوسروں کو ایذا دیتا ہے مانند پلیگ ہے ہم زمین سے کہیں کہ وہ بھونچال کو نہ لاوے۔ آتش خیز پہاڑ لاوے سے خاکستر نہ کرے۔ آندھی شاداب کرنے والے مینہ بھرے بادلوں کو کہیں اڑا کر نہ لے جاوے۔ سمندر اپنی طغیانی سے جہاز برباد نہ کرے۔ مگر کس مطلب براری کے لئے؟ بے رحم قدرت ہماری التجا کو نہیں سنتی۔ جس کے آگے ہم سر تسلیم خم کرتے ہیں اور لاعلاج سزا کو برداشت کرتے ہیں۔ مگر جب ایسی قباحتیں اہلِ دماغ پیدا کریں۔ اُن کے عمل کے اثر کو کون یقینی روک سکتا ہے ہمیں بڑا سخت افسوس آتا ہے اور دل کی کلی مرجھا کر رہ جاتی ہے۔ ہاں اوّل بات تو یہ ہے کہ انسانوں کو ستانے والی پلیگوں میں جنگ نے ایک ٹھیکہ کی جگہ لے لی ہے۔ مگر جہاں اُس کو جگہ ملی ہے۔ وہاں انتہائی غضب ڈھایا ہے اس کا خشک سالی۔ ہیضہ۔ تپ دق سے بھی سینکڑوں گناہ زیادہ مقابلہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ جس دن ہم نے اُس کو روکنے کی کوشِش کی یہ غائب ہو جاوے گی +

شہری قانون اعانت قتل پر بھی سزا دیتا ہے۔ کئی لاف زنی کرتے ہیں کہ جنگ قتل کو اُکساتی ہے۔ بیشک وہ نیک نیتی سے ایسا کہتے ہیں لہذا ہم قانون کو دستک نہیں دیتے کہ وہ انہیں سزا دے مگر وہ بہت بُرے آدمی ہیں۔ وہ عام رائے کو خاص گھوڑے پر چکر دینا چاہتے ہیں تاکہ سب اس کو پھٹکاریں اور بددُعا دیں +

جنگ کی جرح

بیرونی دُنیا ہمارے اندر پیدا کرتی ہے جو ہماری نسوں کے مرکز میں قیاس عکس۔ خیالات رلے خواہش۔ جوش۔ ولولہ اور

آرزو پیدا کرتے ہیں۔ جب خواہش زبردست ہوتی ہے تو فعل عموماً سرزد ہوتا ہے خواہش کی صورت میں کچھ وقت کے لئے دل اپنے آپ کا مالک ہو جاتا ہے۔ یہ اپنے ذرائع کی کھوج کرتا ہے۔ حالات اِرد گرد کو سوچتا اور خیال میں لاتا ہے۔ یہ آئندہ واقعات کی صورت کا قیاس کرتا ہے۔ مگر جب بیرونی جس ولولہ کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ دل کا رجحان تو کلی طور پر اُسی طرف ہو جاتا ہے۔ اور سب قسم کے مقابلہ کو نیست و نابود کر دیتا ہے۔ کسی ذرائع کو استعمال کرنے سے دریغ نہیں کرتا نہ ہی اپنے ہمزاد بھائیوں کی قربانی سے۔ فرد بشر کو یا مجموعہ کو مارنا۔ پہلی صورت میں قتل اور دوسری حالت میں جنگ کہا جاتا ہے +

قتل میں تین نازک لمحہ ہوتے ہیں۔ خواہش چاہے یہ جیسی کیسی بھی ہو۔ اطمینان کامل یعنی وہ خواہش جو صرف ایک انسان کی موت سے پوری ہو سکتی ہے اور فعل کا سرزد ہونا +

یہی صورتیں گروہوں کے قتل میں ہوتی ہیں۔ ایک گروہ میں کسی قسم کی حرص کا مشتعل ہو جانا (مال وزر دین وعزّت حاصل کرنا) یہ کامل یقین کہ ہمارا مدعا صرف لڑائی سے پورا ہو سکتا ہے اور آخری خصومت کا آغاز +

مگر گروہوں کے قتل کے بارے میں معاملہ ذرا پیچیدہ ہے۔ ہر انسان میں ہر لمحہ پر ایک خاص خواہش جاگزین رہتی ہے۔ عموماً جب ایک ہی گھڑی میں بہت سے فعل سرزد ہوں تو ہر ایک کی خواہش ایک جیسی ہونی چاہیے۔ ہر بشر کے حالات وسنسکار اور ہر مجموعہ فعل کا آغاز دونو لازم ملزوم ہیں۔ ایک انسان غارتگری کے فعل کو خیال میں لاتا ہے وہ ایسے ساتھیوں کو ڈھونڈتا ہے جو اس کو مدد دے سکیں۔ وہ جھٹ ایک غول کا افسر بن جاتا ہے اور نئے رنگروٹ بھرتی کر کے نئی فوج تیار کر جنگی معرکے آرائیاں کرتا ہے۔ انجمن کے خاص حالات بد

جنگ ہمیشہ ایک ذاتی معاملہ بن جاتی ہے ÷

مگر یہ کس طرح سے ہوتا ہے کہ افسر ہمیشہ اپنے ساتھیوں کو پالیتا ہے؟ ہر جاندار موت سے خوف وہراس کھاتا ہے۔ یہ کس طرح سے ہے کہ لوگ خوشی سے موت کے منہ میں جاتے ہیں؟ یہاں ایک اور جزو شامل ہوجاتا ہے۔ امید۔ قبل جنگ کے ہر شخص خوب جانتا ہے کہ مصیبت نازل ہونی لازم ہے۔ دیگر ساتھیوں پر بھی سانحات گزرینگے مگر لیسپاکون ہوگا؟ موت کا شکار کون ہوگا؟ ہر شخص یہ خیال کرتا ہے کہ اس کا ساتھی مریگا نہ کہ وہ خود۔ بس اس لئے وہ افسر کے جھنڈے تلے آجاتا ہے یا یہ کہو کہ وہ اپنی زندگی کو قربان نہیں کرتا بلکہ خاص فوائد حاصل کرنے کے لئے اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالتا ہے (کیا چور یا ڈاکو اپنے بدمقصد کو مدِنظر رکھ کر کارِ نمایاں نہیں دکھاتا جان پر نہیں کھیلتا۔ ہاں اُڑتی پھرتی چھاؤں کی مانند دولت کے حصول کی خاطر وہ کیا کچھ نہیں کر گزرتا۔ بدترین فعل کو سرزد کرنا اپنی آتما جیسے موتی کو برباد کرنا اور اس کو سیسے یا شیشے کا بنا دینا ہے۔ افسوس!) خوشی سے اپنے آپ کو پیش کرنے والے سپاہی کو اگر یقین صادق ہوجائے کہ اس کی زندگی اُس ملزم کی طرح جس پر کہ سزائے پھانسی کا حکم صادر ہوا ہو۔ ضرور ہی ہر حال میں تلف ہوگی تو جنگوں کی تعداد بہت حد تک کم ہوجائے ÷

جب موجودہ سلطنتیں قائم کی گئیں۔ مدامی فوجیں تیار کی گئیں جنگ ذاتی معرکہ آرائیاں نہ رہیں بلکہ جنگ کے آغاز کرنے کا ایک ٹھیکہ سرکارِ وقت کو مل گیا ÷

نفع کی مدیں بڑی اہم اور دیرپا اثر ڈالنے والی تبدیلیوں کا ظہور ہوا۔ وہ سپاہی جس نے اپنے آپ کو بڑی رضامندی سے افسر کے

جھنڈے کے نیچے پیش کیا تھا۔ کئی فوائد حاصل کرنے کا خیال باندھتا ہے بعض دفعہ افسر نے سپاہی سے قول و قرار کئے کہ فلاں فلاں نفع ہونگے۔ مگر جب جنگ صوبوں کے افسروں کے ٹھیکے میں آگئیں تو شخصی یا ذاتی فوائد معدوم ہو گئے۔ انسانوں کو جنگ کا ارادہ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ کتنے ہی پیچیدہ وطیروں کا تخمیناً کرلے جس کو ٹالسٹائی نے نہایت درست بیان کیا ہے۔ یعنی لوگوں پر سنائزم کر دینا انسٹیوٹشن کی ایک بڑی تعداد۔ گرجا۔ سکول اور دیگر۔ بچے کو پنگھوڑا چھوڑتے ہی پکڑ لیتے ہیں اور اُس کے دل میں خاص خاص خیالات جاگزیں کر دیتے ہیں۔ جہاں پر اس کو یہ اطمینان دلایا جاتا ہے کہ اس کا ذاتی فائدہ اس میں ہے کہ جس لمحہ میں وہ اپنے ساتھیوں پر ٹوٹ پڑے بس قتل کر ڈالے۔ اس اطمینان دلایا جاتا ہے کہ یہ خوشی صوبہ کی حدود کی لمبائی چوڑائی سے تناسب ہے۔ جنگی جذبہ کو برقرار رکھنے کا یہ بڑا پر اثر طریق ہے کہ لوگوں کو بتایا جائے کہ وہ خود ہمیشہ حفاظت اور اُن کے ہمسایہ حملہ کی خاطر سب کچھ کر رہے ہیں۔ یہ ایک بھول ہے جو تمام اقوام میں پھیلی ہوئی ہے اور اپنا گہرا رنگ جمائے ہوئے ہے +

چند مثالیں لو۔ کچھ سال ہوئے کہ بے نام مصنّف نے فرانسیسی نقطہ خیال کو ظاہر کیا۔ مصنّف کہتا ہے:-

> ۱۸۶۳ء میں یورپ خوش و خرم تھا۔ تب بین الاقوامی بھائی بندی کے سنہ کی چھٹا چھٹکی دکھائی پڑتی تھی۔ لوگ اُس وقت کی تاک میں تھے جبکہ یورپ کی تمام اقوام ایک دوسرے کے ساتھ امٹ محبت کا حلف لینگی۔ حالات کی صورت سچ مچ ایک عمدہ گیت کی تھی۔

نوٹ نمبر ۴۔ یہ بات ظاہر کریگی کہ یہ کیسی عمدہ تصویر ہے۔ اس وقت فرانس کے کئی محب وطن رائن کے سرحدی ملکوں کو فتح کرنے کے خواب لے (دیکھو صفحہ ٦٣)

اسے لو بسمارک نمودار ہوا۔ وہ قریب سے اوّل ڈنمارک پر آسٹریا اور آخر میں فرانس پر حملہ آور ہوا تب یورپ ایک مسلح خیمہ کی مانند ہو گیا ڈائنامیٹ کی ایک کان بن گیا۔ محبت کے خوبصورت خوابوں کو الوداع۔ میٹھے گیتوں کو الوداع۔ پرشیا جس کی "قومی صفت جنگ ہے"۔ امن وچین میں سب سے زیادہ خلل انداز تھا اور سب سے بڑا مجرم تھا"

آؤ ہم رائن کو عبور کر کے جرمنی میں وارد ہوں یہاں ہم کو کچھ نرالا تان سننے میں آتا ہے :-

"ہم جرمنی کے باشندے تمام دنیا میں سب سے زیادہ امن خواہ اور صلح جو ہیں۔ ہم کسی دوسرے کے ملک کو لینا نہیں چاہتے (ابلا شک لورین کے سوائے) یہ ہمارے اختیار میں ہوتا تو یورپ اس وقت کلی طور پر امن وچین سے دن بسر کرتا۔ مگر لو دیکھو جہاں وہاں کیپلنگ مرغ اور روس ریچھ موجود ہیں ان میں سے کوئی خاموشی اختیار نہیں کرتا یہی تو وجہ ہے کہ ہم کو آئے سال نئی فوجیں تیار کرنی پڑتی ہیں"

کچھ تھوڑا عرصہ ہوا ایک جرمنی مصنف نے رائے ظاہر کی تھی کہ ہتھیاروں سے کنارہ کشی اختیار کرنے میں فرانس مزاحمت پیش کرتا ہے بس اس کو چند صوبوں میں تقسیم کر دیا جائے (چالاک اخبار نویس یہ بھول جاتا ہے کہ وہ ایک کہانی کے بندر کی طرح "اپنی شمع کو روشن کرے" وہ ایک لمحہ بھی اس بات کو سوچنے کے لئے نہیں

بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۲ ۔ لے رہے تھے۔ جرمنی اور بلجیم اپنے دائمی جھگڑوں میں مبتلا تھے نپولین سوئم کے وقت میں فرانس کی (Hegemony) آجکل کے پرشیا کی طرح بہت ہی بھاری اور گراں تھی

ٹھیر تا کہ آیا فرانس ملاپ پر راضی بھی ہوگا) صرف اس واقعہ کی صورت میں ہی ہمارا بدبخت براعظم امن و امان کے سانس بھر سکتا ہے +

جرمن زبان میں شائع شدہ ایک پمفلٹ میں مصنف پوچھتا ہے کیا یورپ میں امن و چین ہونا ممکن ہے جب تک کہ روس اپنی ہستی کو رکھتا ہے امن و امان کے حصول کے لئے ایک جرمن ظاہر کرتے ہیں کہ وحشی ماسکو والے باشندوں کو سائبیریا کے (Steppes) میں پھینک دو[۵] +

یہی ہر جگہ ہے - سب کو ایک ہی چیز دکھائی پڑتی ہے - ہر ایک قوم اپنے آپ کو نیکی مجسم قرار دیتی ہے - ہر ایک قوم مسٹر جانز کے خیال کے مطابق بہانہ کرتی ہے کہ وہ صرف اپنی حفاظت کی خاطر جنگ میں شامل ہوتی ہے +

اب وقت ہے کہ ان سخت غلطیوں کو مٹا دیا جائے - بڑی بڑی یورپی اقوام کو اپنی ضمیریں سخت امتحان میں ڈالنی چاہئیں - تب کہیں جا کر اُن کو معلوم ہوگا کہ وہ تمام کی تمام قومیں دست اندازی جبر و تعدی اور وحشت میں یکساں اور مساوی ہیں +

نوٹ نمبر ۵ - صورت موجودہ میں فرانس کے سوائے - تکلف سے تنگ آکر بچہ بچہ متفق الرائے ہو کر ابلاشک لورین کو مانگتا ہے - صرف فرانس والے اپنے حقوق کو برقرار رکھتے ہیں اور کسی دوسرے کے حقوق میں کسی قسم کی دست اندازی نہیں کرتے +

ان میں سے ہر ایک کا وطیرہ اس بات کا مخل ہے کہ کروڑہا بندۂ خدا کو خوشی و راحت نصیب ہو +

نہیں - صرف ہمارا ہمسایہ اکیلا حملہ کرنے پر تیار نہیں ہے ہم بذات خود بھی حملے کی تاک میں ہیں - ہم اپنے دائرہ کو حفاظت خود اختیاری تک محدود رکھتے ہیں - اس قول میں صداقت نہیں ہے - نہیں جس طرح ہم دوسروں

نوٹ نمبر ۵ - اس نتیجہ کو حاصل کرنے کیلئے یہ ضروری ہوگا کہ یورپ کی سوائے روس کے ایک متحدہ انجمن بنائی جائے ہم خوب جانتے ہیں کہ جرمنی والے ہرگز ایسا وطیرہ کبھی اختیار نہ کرینگے +

کے حقوق کو کچلتے ہیں ٹھیک اُسی طرح دوسرے بھی ہمارے حقوق کو کچلتے ہیں ؛
جب یہ سچائیاں عام لوگوں کے دلوں میں جاگزیں ہو گئیں تو جنگ
اپنے آخری دنوں پر دکھائی پڑیگی - موجودہ وقت میں - دراصل جنگ کے
فوائد ہیں - ہمارا اشارہ صرف اس کے خیالی فوائد کی جانب ہے - صرف
اشخاص کی ایک چھوٹی سی جماعت کے لئے - اگر ایک بڑی تعداد (لاکھوں
یا قوموں) جنگ میں غلطان ہو جاتی ہے تو محض اس خیال سے کہ وہ اپنی
حفاظت سے لڑ رہی ہیں - اس بھول کو مٹا دو بس کوئی جنگ میں
شامل نہ ہوگا ؛

لوگوں میں جنگ کے لئے منافرت ہے - دس ہزار اشخاص میں
کوئی بھی ایسا ایک بشر نہ ہوگا جو دلی شوق سے کارزار میں اس خاطر شامل
ہو کہ اُسے خوشی نصیب ہو - یہ ہمیشہ ہی ایسا ہوا ہے یقین جانو کہ رومی
جیسی ایک جنگجو قوم کو خیال میں لایا جائے (Janus)[6] کے مندر کو بند
کرنے والا شخص آگسٹس تھا (Augustus) ؛

مگر ایپلک کے وقت میں بھی بطور بخشش جنگی نوکری سے معافی
دی جاتی تھی - (Vacatio militaris) ماریس کے عہد کے آغاز میں
ہی اس جبراً جنگی نوکری کے قانون کو توڑنا پڑا - امیروں نے اس میں
بھرتی ہونے سے انکار کیا - اس طور پر ہم دیکھتے ہیں کہ جنگ سے وہ بھی
خوف زدہ تھے جو تختہ دنیا میں سب سے زیادہ جنگجو تھے - وسطی زمانے

نوٹ نمبر ٦ - جانس ایک دیوتا تھا جس کے دو سر تھے اہل روم اُس کی عزت و توقیر کرتے تھے اُسکے
نام سے جنوری مہینے کا نام بالکل موزوں پڑا - جو وقت کے دو نو آگے اور پیچھے دکھائی پڑتا ہے اس
کا مندر کبھی بند نہیں رہتا تھا - سوائے اُس وقت کے جبکہ کلی طور پر امن و چین ہو - روم کی
تمام تواریخ میں ایسا صرف تین بار ہوا ہے (یعنی سات سو سال کے عرصہ میں) اور ایک
عجیب اتفاق سے عیسےٰ کی پیدائش کے وقت بھی ہوا ؛

کے آغاز میں تمام آزاد لوگ سپاہی تھے۔ مگر ایسا معلوم دیتا ہے کہ اس وطیرہ میں وہ خوش نہ تھے۔ کیونکہ پندرھویں صدی میں مستقل فوجیں تیار کرنی پڑیں۔ اگر جنگ خوشی عطا کرنے والی ہوتی تو لوگ شاہی جھنڈوں کے تلے ہشاش بشاش۔ جوش وخروش میں آآکر ہجوموں میں اکٹھے ہوتے مگر حالت ایسی مطلق نہیں ہے۔ اس بات سے عیاں ہے کہ جبراً فوجی نوکری کا قانون اخذ کیا گیا ÷

موجودہ وقتوں میں غلطی کے خوف سے مبرّا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یورال پہاڑ سے ساحل اٹلانٹک تک یوروپی اقوام کو جبراً سپاہی گری اور جنگ کا بہت بھاری خیال اور خطرہ ہے۔ کوئی شخص سپاہی بننے کو رضامند نہ ہوگا اگر اُسے یہ یقین دلایا جائے کہ انکار کی صورت میں اُسے سزا یابی نہ ہوگی۔ بہ نسبت انگلینڈ کے کسی دوسری جگہ سپاہی گری پر از تکلیف یا مصیبت نہیں۔ کریمین جنگ کے بعد انگریزی فوج میں بھرتی ہونے والوں کی تعداد اس پیشہ کو چھوڑنے والوں کی تعداد سے $\frac{1}{15}$ سے بھی کم رہی۔ بسا اوقات آدھے حصّہ نے سپاہگری چھوڑ دی "÷

صبح صادق ہوتے کسی بشر کے دل میں یہ خیال نہیں سماتا کہ وہ اپنے ساتھی کا جاکر سر پھوڑ دے۔ ہر شخص اپنی عقل ولیاقت کے مطابق اقبالمندی کو اقبال دینے کی سعی میں کوشاں رہتا ہے۔ اس بارے میں بڑے زبردست ثبوت فراہم ہوسکتے ہیں کیا ہم نے کبھی ایسے شخصوں کو کو دیکھا ہے جو جنگ کے لئے عرضی دیتے پھریں؟ وہ لڑائی پر صرف اس لئے آمادہ ہوتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ بلا کسی طرح ٹالے نہ ٹلیگی مگر ساتھ ہی وہ ہمیشہ اپنی مرضی وضمیر کے خلاف اس فعل کو کرتے ہیں ÷

موجودہ انجمنوں کی کامل گھٹت کا شکریہ۔ کیبنٹ سے صادر ہوا ایک حکم چند گھنٹوں میں ہی دس کروڑ اشخاص کی قوم کو متحرک کردیتا ہے بسا اوقات

شہر والوں کی ایک بڑی جماعت کوئی حکم بڑے ناگوار گزرتے ہیں۔ جو کہ انجمن کے زیر اثر آ کر ان کو ماننے ہی پڑتے ہیں۔ صوبہ کے بڑے افسر کے حکم احکام کو بجالانا گویا دوسری خصلت بن گئی ہے۔ اور اس کے برخلاف عمل کرنے کا محض خیال تک بالکل اڑ گیا ہے +

سوشیل گھنٹ کئی اشخاص (محدود سے چند) کو اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ وہ بڑے سے بڑے صوبوں کی قسمت کا فیصلہ کریں۔ مادی فتوحات اور خود پرستی کو حاصل کرنے کی خاطر وہ بشر بعض دفعہ سخت خونریز لڑائیاں برپا کرتے ہیں۔ یقیناً فرانس والوں نے کبھی یہ خیال نہیں کیا تھا کہ وہ ۱۸۱۲ء میں روس پر چڑھائی کرینگے +

فٹ نوٹ نمبر ۷۔ جنگ چھیڑنے کا خیال بالکل پوشیدہ رکھا گیا۔ جب محاصرہ کے لئے بادشاہ پیرس سے روانہ ہوا تو یہ ظاہر کیا گیا کہ شہنشاہ کسی فوج کو ملاحظہ کرنے گیا ہے۔ اور بعد میں تب وسیچولا میں سب اکٹھے ہو گئے +

مگر نپولین کو اس جنگ کی ضرورت تھی۔ جرمنی کے کسانوں اور زمینداروں نے یقیناً کبھی خیال نہیں کیا تھا کہ ۱۸۷۰ء میں فرانس پر حملہ آور ہوں مگر تین یار دوست۔ (Moltke Von Roon) اور بسمارک۔ کو فرانس پر حملہ کرنے کی ضرورت پڑی تھی +

واقعات کا ایک خوش کن اتحاد پیدا کیا گیا اور جواب کبھی برقرار ہے بڑے سے بڑا وزیر اپنی حکمت عملی پیدا نہیں کر سکتا۔ بڑی بڑی یوروپی قوموں کے شہنشاہوں پر نرم دلی بہت اثر کرتی ہے کہ وہ نہایت خوفناک جنگ کی چھیڑ چھاڑ کریں۔ تاکہ فتح و نصرت کے بھاونے دلولوں کا لطف اٹھاویں۔ ان میں کوئی اتنا خود غرض نہیں ہے کہ وہ کروڑہا انسانوں کو خوفناک تکلیفیں دے۔ تاکہ خود پرستی حاصل کرے +

ولیم دوم نے بولین سیمن ۱۸۹۶ء میں کہا تھا "آپ کی فوج تیار ہے اس نے